تفسیر البیضاوی

1

خطبۃ الکتاب

فتحدّی ← چیلنج کیا مصاقع فصیح و بلیغ ۔ قادر الکلام واحد مصقع

عرباء ← خالص اور اصلی عرب ۔ عَرَبٌ کا بھی یہی معنی ہے

عَنّ ! کسی کے سامنے کوئی چیز آنا – قناع ! پردہ ۔ انغلاق ← پیچیدگیاں

کلام غلق (مشکل) میں استعارہ بالکنایہ ہے بایں طور کہ مشکل کلام کو باپردہ عورت سے تشبیہ دی تو تشبیہ کو دل میں پوشیدہ کر دیا اور مشبہ بہ کو حذف کر دیا اور اس کے لازم قناع کو ذکر کر دیا ۔ یہی استعارہ کنایہ ہے

وأبرزَ غوامض الحقائق ولطائف الدقائق اور پوشیدہ حقیقتوں اور باریک نکتوں کو ظاہر کیا ۔

مُلک ! اعیان میں امر و نہی کے ذریعے تصرف کرنا ۔

مِلک ! اعیان مملوکہ میں جیسے چاہے تصرف کرنا ۔

ملکوت ! عظیم ملک اس میں مبالغہ ہے جیسے رحموت

لیتجلّی ← تاکہ اعیان سماء عظیم ملک کی پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں

خبایا ! پوشیدہ رکھی ہوئی چیز ۔ راز ج خبایا واحد خبیئۃ

صفات جمالیہ و جلالیہ ۔ الماعہا ! اشارات

ألقی السمع ! جس نے حضور ذہنی کے ساتھ کان لگائے

النبراس : چراغ ج نبارس نورِ فطرت

فیا واجب الوجود تو اے واجب الوجود، سخاوت کو فیضان کرنے والے اور اے ہر مقصود کی انتہا حضور پر ایسی رحمت نازل فرما جو ان کے نفع کے برابر ہو ۔ اور جو ان کی مشقت کے مساوی ہو ۔ قررّ بیانہ ۔ جمہور نے بیان کو راسخ کیا ۔

یعنی حضور پر بے انتہا رحمت نازل فرما جیسا کہ حضور کے منافع اور ان کی مشقت بے انتہا ہیں ۔

ومہّد لہم ـــــ اور ان کے لئے احکام کے قواعد اور ان کی علتوں کو مقرر کیا ۔ قواعد اور علل کہ جو مستنبط ہیں نصوص و اشارات سے ۔

ولعلّ ـــ تو بے شک اعظم علوم مرتبے کے لحاظ سے اور بلندی و شرف کے لحاظ سے سب سے بڑا علم علم تفسیر ہے ۔ ـــ وأسعدا اصل

أساس (وعظمت) ← بنیاد، اصل ج أسس، آساسات

Scanned by TapScanner

ولطالما کا معنی ہے و باللہ لطال طولا ملایدا تحدیث نفسی
اور اللہ کی قسم بہت دنوں سے میرے دل میں یہ بات پیدا ہو رہی تھی۔
أماثل المحققین۔ ہم عمر محققین نے

أسلوب بیضاوی

۱) امام بیضاوی قرآن کی تفسیر کو مصحف میں موجود ترتیب کے اعتبار سے سورۃ با سورۃ ذکر کرتے ہیں۔

۲) پہلے یہ سورۃ کا نام ذکر کرتے ہیں اور اس کا وصف کہ یہ مکیہ ہے یا مدنیہ یا مختلف فیہ۔

۳) یہ ان آیات کی جانب اشارہ کرتے ہیں جن کے نزول (مکان) میں اختلاف ہوتا ہے بہت دفعہ۔ پھر یہ آیات کی تعداد کو ذکر کرتے ہیں اختلاف کی جانب اشارہ کرتے ہوئے۔

۴) ایک سورۃ کا دوسرا نام بھی ذکر کرتے ہیں کبھی کبھی جبکہ اس کے وجہ تسمیہ کی جانب اشارہ پایا جائے۔

۵) یہ صرف تفسیر کے بارے میں آراء کو ہی نہیں ذکر کرتے بلکہ ان تمام آراء پر بحث کرتے اور وجوہات بیان کرتے ہیں چاہے وہ لغوی لحاظ سے ہو یا کلامی یا فقہی۔

۶) تفسیر نقلی و عقلی کو جمع فرماتے ہیں، تو اسباب نزول کے ذکر کا اہتمام فرماتے اور تفسیر قرآن بالقرآن کا، اور تفسیر قرآن بالسنۃ کا، اور اقوال صحابہ بھی ذکر کرتے ہیں نیز میں اور تابعین و بعد والوں کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔

۷) آیات و سورۃ کے مابین مناسبات کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

۸) قراءات کا ذکر فرماتے ہیں متواتر قراءات کو ذکر کرتے ہیں اور غیر متواتر قراءات کو لفظ قُرِئَ سے ذکر کرتے ہیں جبکہ متواتر والوں کا نام بھی ذکر کرتے ہیں۔

۹) سورۃ کے آخر میں ایسی بات ذکر کرتے ہیں جو اس کی قراءت پر ابھارے۔

قراء سبعہ

۱) ابن عامر — عبداللہ بن عامر بن زید، أبو عمران شامی — توفی بدمشق سن ۱۱۸ھ
۲) ابن کثیر — عبداللہ بن کثیر داری مکی، أبو معبد — توفی بمکۃ سن ۱۲۰ھ
۳) عاصم — عاصم بن أبو نجود بھدلہ کوفی، أبو بکر تابعی — توفی بالکوفۃ سن ۱۲۷ھ
۴) أبو عمرو — زبان بن عمار تمیمی مازنی بصری، ابو عمر — توفی سن ۱۵۴ھ
۵) حمزہ — حمزہ بن حبیب زیات کوفی، أبو عمارہ — توفی بحلوان سن ۱۵۶ھ
۶) نافع — نافع بن عبدالرحمٰن بن ابو نعیم شیخ قراء المدینۃ — توفی سن ۱۶۹ھ
۷) کسائی — علی بن حمزہ بن عبداللہ أبو الحسن کسائی نحوی — توفی سن ۱۸۹ھ

لانها مفتتحة یہاں سے فاتحۃ الکتاب کی وجہ تسمیہ بیان کر رہے ہیں کہ فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ فاتحہ سے قرآن کی افتتاح ہے قرءت کا ہے۔

مبدءہ سے ام القرآن کی وجہ تسمیہ ام کا دو معنی ہے ۱) اصل ۲) منشا دونوں کے اعتبار سے ام القرآن کی وجہ بیان کریں گے۔
۱) ام کا معنی مبدأ ہے اور مبدأ اول شیئی کو کہتے ہیں اور اول شیئی اصل ہوتی ہے
۲) سبب اخراج شیئی۔ اور جو سبب ہوتا ہے وہ منشا کے منزل میں ہوتا ہے
منشا اس لئے ہے کہ اجمالی طور پر سورہ فاتحہ میں تمام احکام موجود ہیں
۳) أو لانها تشتمل۔ یہاں سے ام القرآن کی تیسری وجہ تسمیہ بیان کر رہے ہیں کہ جیسے ام مشتمل علی الولد ہوتی ہے ویسے ہی یہ سورت بھی ۳ عظیم چیزوں پر مشتمل ہے ۱) ثناء ۲) تعبد، امر ونہی، ۳) بیان وعدہ وعید وغیرہ

تعلیم المسئلہ سورہ فاتحہ میں اللہ عزوجل نے اپنے آپ سے سوال کا طریقہ بتا دیا ہے اس لئے تعلیم مسئلہ کہتے ہیں۔
الصلوٰۃ: سورہ صلوٰۃ کہنے کی وجہ کہ عندنا پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ واجب اور عند الشوافع آخری دو میں بھی عند الاحناف اخیرین میں مستحب ہے۔

سبع مثانی اس باب میں 4 اقوال ہیں
۱) امام حسن بصری۔ 8 آیات ہیں وہ بسم اللہ اور صراط الذین کو آلگ شمار کرتے ہیں۔
۲) شوافع کے یہاں 7 ہیں وہ بسم اللہ کو آلگ شمار کرتے صراط الذین کو آلگ نہیں۔
۳) احناف۔ 7 آیات ہیں بغیر بسم اللہ کے صراط الذین کو آلگ شمار کرتے ہیں۔
۴) امام حسین جعفی 6 آیات ہیں وہ بسم اللہ و صراط الذین دونوں کو آلگ شمار نہیں کرتے۔

مثانی کی وجہ یہ مثنیٰ کی جمع ہے از باب ضرب جیسے منافع منفعی کی معنی ہے تکرار وجہ تسمیہ ۱) یہ سورت نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہے
۲) نزول میں بھی مکرر ہے شب معراج اور تحویل قبلہ دونوں وقت نازل ہوئی

سوال مثانی جب یہ سورۃ کی صفت ہے تو مثناۃ یا مثنی لاتے جمع کیوں لائے؟
جواب یہ سبع آیات کی صفت ہے نہ کہ لفظ سورۃ کی تو اب جمع لانا صحیح ہے۔

سورہ فاتحہ کا مدنی ہونا مشکوک ہے مکی ہونے میں کوئی شک نہیں۔

Scanned by TapScanner

بیان الخلاف فی البسملہ — مشہور ۳ اقوال

1) شوافع، کوفہ و مکہ کے قراء اور فقہاء، ابن مبارک۔
ان کا موقف یہ ہے کہ فاتحہ کا بھی جزء ہے اور ہر سورت کا بھی مطلب قرآن کا جزء ہوا۔

۲) قراء مدینہ و بصرہ و شام و فقہاء ان کا و مالک و اوزاعی، احناف متقدمین
بسم اللہ نہ فاتحہ کا جزء ہے اور نہ ہر سورت کا نہ ہی قرآن کا

۳) متاخرین احناف: بسملہ قرآن کا تو جزء ہے پر فاتحہ و ہر سورت کا نہیں۔

امام اعظم کے نزدیک نماز میں الحمد کے ساتھ بسملہ کو جہراً پڑھنا صحیح نہیں ہے
ہاں جزء قرآن تو ہے کہ امام محمد سے پوچھا گیا تھا خود قرآن کے بارے میں تو فرمایا
ما بین الدفتین کلام اللہ۔ اور لازما بسم اللہ بھی ما بین الدفتین ہے
اگر امام اعظم کے نزدیک بسملہ سورہ فاتحہ کا جزء ہوتا تو ضرور جہر سے
پڑھا جاتا جہری رکعتوں میں۔

احناف: امام ابو السعود نے فرمایا یہ قرآن کی ایک منفرد آیت ہے جو کہ فصل اور تبرک
کے لئے نازل کی گئی یہی احناف کا صحیح موقف ہے۔

دلائل جزئیۃ التسمیۃ من الفاتحۃ

امام بیضاوی چونکہ شافعی ہیں اس لئے وہ ایسی دلیل ذکر کریں گے جس سے جزئیت کا ثبوت ہوگا۔

دلائل (۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه عليه الصلاة والسلام قال "فاتحة الكتاب
سبع آيات أولاهن (بسم الله الرحمن الرحيم)"

(۲) عن أم سلمة رضي الله عنها ((قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم الفاتحة و
عدّ بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العلمين آية)).

احناف کے دلائل (۱) حديث أبي هريرة قال سمعت النبي عليه السلام
يقول (قال الله تعالى قسمت الصلوة أي الفاتحة بيني وبين عبدي
نصفين ولعبدي ما سأل فاذا قال العبد الحمد لله رب العلمين قال الله
حمدني عبدي. تو دیکھئے یہاں پر ابتدا الحمد سے کی گئی ہے بسملہ کا ذکر نہیں ہے۔
اس سے پتا چلا کہ بسملہ فاتحہ کا جزء نہیں جب اس کا جزء نہیں تو بقیہ سورتوں کا بھی نہیں —

(۲) حضرت عمر نے فرمایا بسم اللہ کو امام کے پیچھے نہ پڑھو چاہے نماز جہری ہو یا سری۔

(۳) حضرت انس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم، اور شیخین و عثمان رضی
اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔

Scanned by TapScanner

امام شافعی کے دلائل کا جواب (۱) حضرت ابوہریرہ والی جو حدیث ہم نے بیان کی اس میں یہ بیان کیا گیا ہے فاتحہ کو الحمد سے شروع فرمائے جو کہ بسم اللہ کے فاتحہ کے جزء نہ ہونے پر دال ہے۔

(۲) حدیث ام سلمہ کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے آیت تو فقط الحمد ہی کو شمار کیا اور بسملہ کو تبرکاً پڑھا، حضرت ام سلمہ ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم قرأت کی تقطیع فرمائے الحمد پڑھتے پھر وقف کرتے، تو اس روایت میں کہیں بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

امام شافعی کا راجح مذہب۔ بسملہ تمام سورتوں کا جزء ہے اور یہ ایک مستقل آیت ہے سورہ فاتحہ کی اور دیگر سورتوں کی۔

بیان متعلق حرف الباء

بسم اللہ میں باء متعلق ہے محذوف فعل اَقْرَءُ کے، اَبْدَأُ یا ابتدائی کو مقدر نکالنا غیر اَولیٰ کیونکہ یہ فعل فاعل کے مطابق نہیں جبکہ اَقرأ میں مطابقت ہے کیونکہ اقرأ کے بعد جو چیز آرہی ہے وہ از قبیل مقروء (پڑھے جانے کے قبیل سے) ہے، معنیٰ ہوگا میں اللہ کے نام سے قرأت کرتا ہوں جبکہ اَبدأ ماننے سے معنیٰ ہوگا میں ابتدا کرتا ہوں تو اب قرأت پر دلالت نہ ہوتی۔ ایسے ہی ابتدائی مقدر ماننا بھی غیر اولیٰ ہے کیونکہ اس صورت میں پوشیدہ عبارت زیادہ ہوجائے گی جبکہ مقدر عبارت کم از کم نکالی جانی چاہیے۔ ابتدائی کی صورت میں عبارت یہ ہوتی "ابتدائی حصل او حاصل بسم اللہ"

فوائد تقدیم المعمول

سوال: معمول من حیث انہ معمول مؤخر ہوتا ہے اور عامل من حیث عامل مقدم ہوتا ہے حالانکہ یہاں معمول مقدم اور عامل مؤخر ہے معمول بسم اللہ ہے اور عامل اقرأ ہے؟

جواب: قاعدہ تو یہی ہے پر یہاں چند نکات کی بناء پر برعکس کیا

۱) لانہ اہم یعنی چونکہ اللہ رب العزت کے نام میں اہمیت ہے لہٰذا اس کو مقدم کیا تاکہ اظہارِ اہمیت ہوجائے وجہ اہمیت: قلب مؤمن میں یہ ایک اہم مقصد ہے کہ ذکر معبود ہو۔

۲) تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر، کیونکہ کفار کا مقصد باسم اللات والعزی ابتدا سے حصر ہوا کرتا تھا تو بسم اللہ اقرأ میں قلب حصر ہوگا تاکہ مخالفت ہوجائے۔ اور اگر ان کا مقصد اشتراک تھا بایں طور باسم اللات والعزی وباسم اللہ تو یہاں بسم اللہ اقرأ میں قصر افراد ہوگا۔

۳) ادخل فی التعظیم۔ تعظیم کا زیادہ اظہار تقدیم باسم اللہ میں ہے۔

۴) اوفق للوجود ۔ یعنی جیسے ذات باری تعالیٰ نفس الامر کے اعتبار سے مقدم تو مناسب ہوا کہ ذکر کے طور پر بھی اس کے نام کو مقدم کر دیا جائے تاکہ وضع طبع کے موافق ہو جائے۔

کیف لا وقد جعل آلۃ لھا

یعنی بسم اللہ کو مقدم کرنے میں اوفق للوجود کیوں نہ ہو جبکہ لفظ باء اللہ پر داخل ہے اور باء استعانت کے لئے ہے اور باء استعانت آلہ پر داخل ہوتی ہے اور آلہ ہمیشہ ذی آلہ سے مقدم ہوتا ہے اس سے تقدیم اسم باری ثابت ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ کہ اسم باری تعالیٰ آلہ قرات ہے اور آلہ مقدم ہوتا ہے۔

اعتراض۔ اسم باری کو آلہ سے تشبیہ دینا صحیح نہیں کیونکہ آلہ غیر مقصود بالذات ہوتا ہے لہٰذا آلہ کہنا غلط ہے آپ نے ایسا کیوں کہا؟

جواب: آلہ کی دو حیثیتیں ہیں (۱) غیر مقصود بالذات والی (۲) موقوف علیہ والی یہاں پر دوسری حیثیت مراد ہے یعنی باری تعالیٰ تمام افعال کے لئے موقوف علیہ ہے۔

ھذا وما بعدہ منقول علی السنۃ العباد ← جواب سوال مقدر

اعتراض: کہا گیا ہے کہ باء کا متعلق اقرأ ہے اور باء استعانت کے لئے ہے تو سوال یہ ہوا کہ اللہ رب العزت کے بارے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ میں اللہ عزوجل سے مدد طلب کرتا ہوں کیونکہ بسم اللہ اللہ ہی کا کلام ہے؟

جواب: یہ بندوں کی زبانوں پر پڑھا جاتا ہے اور جو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے تو یہ بندوں کو تعلیم دینے کے لئے ہے۔

باء کو مصاحبت کے لئے ماننے پر دلیل

۱) باء کو مصاحبت کے لئے بنانا حدیث سے ثابت ہے جیسے کھانے کی دعا میں مع اسمہ کا لفظ ہے۔

۲) باء کو استعانت کے لئے ماننا کہ آلہ کو موقوف علیہ کے معنی میں سمجھنا ہے معنی مقصودی کے لحاظ سے کوئی خرابی نہیں لیکن من وجہ توہم تنقیص کا ارتکاب ہے اور اللہ عزوجل توہم تنقیص سے بھی منزہ ہے۔

حروف کی دو قسمیں ہیں (۱) مبانی (۲) معانی

مبانی: جو حروف ترکیب الفاظ کے لئے موضوع ہوں ان سے کسی قسم کا معنی مقصود نہ ہو جیسے ضرب میں ض، ر، ب۔

معانی: جو کسی نہ کسی معنی کے لئے موضوع ہوں جیسے الضاد، الراء

حروف مبانی کو کلمہ نہیں کہا جاتا ہے جبکہ معانی کو کہا جاتا ہے۔ اعراب دینا کلمہ کی صفت ہے لہٰذا حروف مبانی معرب نہیں ہوں گے اور حروفِ معانی مبنی الاصل کے درجے میں اور مبنی الاصل کے لئے اصل مبنی علی السکون ہے کیونکہ بناء میں دوام کا معنی ہوتا ہے جو کہ خفت کا تقاضہ کرتا ہے اور خفت سکون میں ہے کیونکہ سکون نام ہے عدم الحرکت کا جو کہ ایک دائمی صفت ہے۔

نیز بنا کا معنی عدم اثر العامل ہے اور سکون کا بھی معنی عدم الحرکت۔ دونوں عدم میں شریک ہوئے جس کی بناء پر مبنی کی اصل حالت سکون ہے۔

پھر حروف مبنی کی دو قسمیں ہیں (۱) دو یا تین سے مرکب ہوں جیسے منذ، خلا (۲) ایک حرف ہو جیسے و، ب، ر تو جو حروف مرکب ہوں وہ مبنی علی السکون ہوں گے۔ اور حروف مفردہ میں تو سکون نہیں ہو سکتی کیونکہ کبھی ابتدا میں ذکر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو کوئی نہ کوئی حرکت دینی پڑے گی کہ ابتدا بالسکون محال ہے لہٰذا جو حرکت سکون کے مناسب ہو وہ دیں گے اور فتحہ خفیف حرکت ہے۔

اعتراض:- بسم اللہ میں باء بھی حروف معانی مفردہ میں سے ہے یہ بھی مبنی ہے پھر ابتدا بالسکون کے محال ہونے کی وجہ سے حرکت فتح کی کیوں نہیں دی گئی کسرہ ہی کیوں اختیار کیا؟

جواب:- حروف کو ہمیشہ مبنی علی الفتح ہی پڑھا جاتا ہے لیکن جب دو صفتیں پائی جائیں تو مبنی علی الکسر پڑھا جائے گا۔

۱) وہ حرف لزوم الحرفیۃ ہو یعنی ہمیشہ حرف رہے اسم یا فعل نہ بنے کبھی۔

۲) لزوم الجر: کہ ہمیشہ اپنے مدخول کو جر ہی دے کوئی اور اعراب نہیں۔

تو باء یہ لزوم حرفیت و جر کے ساتھ خاص ہے کیونکہ بعض حروف میں لزوم حرفیت ہوتی ہے لیکن جر نہیں جیسے واؤ کیونکہ یہ عطف کے لئے بھی آتا ہے اور بعض حروف میں لزوم جر تو ہوتا ہے لیکن لزوم حرفیت نہیں جیسے کافِ تشبیہ کہ یہ کبھی اسم بھی ہوتا ہے، اور حرفیت و جریت کے مناسب ہے کسرہ ہے۔

لام ابتدا جب ضمیر پر داخل ہو تو کسرہ نہیں دیا جائے گا التباس نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ لام ابتدا ضمیر مرفوع پر ہی داخل ہوتا ہے اور اس پر لام جارہ داخل نہیں ہوتا جیسے وانک لانت یوسف ؟

ہاں التباس متحقق ہوگا فقط اسم ظاہر میں جیسے لام ابتداء داخل ہے اسم ظاہر پر مثلا ان ذلک لعبرۃ ؟ اور لام جارہ کے ظاہر پر داخل ہونے کی مثال " قوموا للہ قنتین ۔

بیان الاختلاف فی أصل الاسم

أعجاز بمعلا حصہ سرین واحد عجز

بصریین :- ان کے نزدیک اسم کا اصل سِمْوٌ تھا اور یہ ان اسماء میں سے ہے جن کو محذوفۃ الاعجاز کہا جاتا ہے یعنی ان کے آخری حرف کو حذف کر دیا جاتا ہے ۔

جیسے ید، دم یہ اصل میں دمو اور یدی تھا پھر ان کے آخری حرف کو حذف کر کے نسیا منسیا کر دیا گیا ،

ایسے ہی اسم بھی اصل میں سِمْوٌ تھا آخری حرف کو حذف کر کے تخفیفاً سین کی حرکت گرا کر ساکن کر دیا اور شروع کو مبنی بر سکون کیا گیا پھر ہمزہ وصل لے آئے ۔

تو بصریین کے نزدیک اسم کی اصل سِمْوٌ اور سُمُوٌّ دونوں ہے ان کے دو باب آتے ہیں

(۱) سما یسمو سموا جیسے علی یعلو علوا (۲) اور سمی یسمی سمیا جیسے علی یعلی

صاحب بیضاوی نے بصریین کے مذہب کو ترجیح دی ہے کہ أسماء أسامی ، سمی سمیت اسم کی جمع و تصغیر ہیں اور قاعدہ ہے کہ جمع و تصغیر اسماء کو ان کے اصل کی جانب لے جاتے ہیں

دلائل (۱) اسم کی جمع اسماء ہے اگر بقول کوفی وسم ہوتی تو جمع أوسام آتی ۔

(۲) اسم کی جمع الجمع أسامی آتی ہے تو بقول کوفی وسم کی جمع أواسیم آتی ۔

(۳) اسم کی تصغیر سُمَیٌّ آتی ہے اگر اصل وسم ہوتا تو تصغیر وُسَیم آتی ۔

(۴) فعل ماضی سَمَّیْتُ آتی ہے اگر اصل وسم ہوتا تو وَسَّمْتُ آتی ۔

(۵) اسم کی لغت سُمًی بروزن فُعَلٌ ھُدًی پائی جاتی ہے جو اصل میں ھُدَیٌ تھا اگر اصل وسم ہوتی تو وُسَمٌ ہونا چاہیے تھا

لغت کے صحیح ہونے پر دلیل شاعر نے سُمًی کا لفظ استعمال کیا ہے

من جانب الکوفیین

اعتراض :- عرب میں قلب مکانی شائع ذائع ہے آپ کے بیان کردہ اوزان میں قلب مکانی ہوا ہے جیسے (۱) أسماء در اصل اوسام تھا (۲) اسامی اصل میں اواسم تھا پایسے ہی دیگر اوزان تو پتہ چلا اصل وسم ہی ہے ؟

یعنی آپ کے بیان کردہ اوزان کے بجائے در اصل مثال واوی ہیں

لہذا انہوں نے بھی مثال واوی ہی کو اصل قرار دیا اور کہا اسم در اصل ہے وسم ہے

(۱)

جواب: قلب مکانی بعید از قیاس ہے ضرورت شدیدہ پر ہی کرتے ہیں ورنہ تو امان اٹھ جائے گا اور ہر لفظ قلب کا احتمال رکھے گا۔

(۲) غیر مطرد: قلب مکانی کسی باب کے ایک دو وزن میں ہوتی ہے نہ کہ تمام اوزان میں اگر تمام اوزان میں ہو تو اصل مادہ پر دلالت کرنے والا کوئی وزن نہ رہے گا، نیز ہم نے جمع و تصغیر کی مثال دی ہے اور یہ اصل کی جانب لے جاتے ہیں اگر ان میں بھی قلب ہو جائے تو قانون ہی ختم ہو جائے گا۔

(۳) یہ سمو سے اس لئے بھی مشتق ہے کہ سمو کا معنی بلندی ہے اور چونکہ اسم بھی مسمی کے لئے رفعت اور اشعار کا ذریعہ ہے۔ یہاں سمو کا معنی علامت نہیں ہاں اسم مسمی کے لئے علامت بنتا ہے جس کے ذریعے بلندی حاصل ہوتی ہے اور سمو کا معنی بھی بلندی ہے

کوفیین: اسم کی اصل مصدر وسمۃ ہے جو در اصل وسم تھا مثل عدۃ ضرب یضرب سے معنی علامت لگانا اسم بھی مسمی کے لئے علامت امتیاز ہوتا ہے۔ وسم میں واؤ تخفیفاً حذف کرکے اس کی جگہ ہمزہ لے آئے تو اسم ہو گیا۔

دلائل (۱) بصریوں کے مذہب میں کثرت اعلال ہے جبکہ ہمارا مذہب میں قلت اعلال اور قلت اعلال بہتر ہوتا ہے۔

تو بصری سمو کے واؤ کو اوّلاً حذف کرتے ہیں ثانیاً سین کو مبنی علی السکون پھر ہمزہ وصلی لاتے ہیں تو ۳ تعلیلات ہوئیں۔ جبکہ کوفیین کے اعتبار سے واؤ کو حذف کیا پھر اس کی جگہ ہمزہ وصلی آئے یہاں دو تعلیلات ہوئیں

ورد بان الھمزۃ: کلام عرب میں ایسا کلام تو موجود ہے کہ آخر کے حرف کو حذف کرکے ابتدا میں اس کے قائم مقام ہمزہ وصلی لایا جائے جیسے ابن جو بنو تھا لیکن کلام عرب میں ایسی کوئی نظیر نہیں کہ اول کلمہ کو حذف کرکے اول میں ہی قائم مقام لایا جائے،

لہٰذا کثرت اعلال کا ارتکاب آسان ہے عدم النظیر کے جانب جانے سے

مشہور لغات (۱) اِسْمٌ (۲) اُسْمٌ (۳) سِمٌ (۴) سُمٌ (۵) سُمَیٰ

أن الاسم عین المسمی مشہور اختلاف

معتزلہ: اسم غیر مسمّٰی ہے۔

بعض اشاعرہ: اسم عین مسمی ہے

شیخ ابو الحسن اشعری سے منقول ہے کہ اسم سے مراد صفت ہے تو یہ صفت کی طرح 3 صورتوں میں تقسیم ہو جائے گا (۱) نفس مسمّٰی کی طرف جیسے وجود،

(٢) غیر مسمّٰی کی طرف جیسے خلق و احیاء

(٣) جو نہ مسمّٰی ہو اور نہ غیر مسمّٰی جیسے علم و قدرت

مصنف کا مقصود یہ کہنا ہے کہ یہ سب نزاع لفظی ہے لفظ اسم میں کوئی اختلاف نہیں تھا اسم سے چونکہ مثالوں اور محاورات میں اختلاف تھا اسی وجہ سے اشاعرہ و معتزلہ کے مابین اختلاف ہو گیا۔

اسم کا انحصار محاورات کلام عرب میں 3 قسم پر ہے مثلاً زید معرب یہاں لفظ مراد ہے۔ زید صائم یہاں ذات مراد ہے۔ ان للہ تسعۃ و تسعین یہاں صفت مراد ہے۔

خلاصہ

اسم سے مراد یا تو لفظ ہوگا یا مسمّٰی اگر مراد لفظ ہو تو یہ مسمّٰی کا غیر ہوگا کیونکہ لفظ ایسی آوازوں سے مرکب ہوتا ہے جو جدا ہوتی ہیں ثابت نہیں ہوتیں اور غیر مجتمع آوازوں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور امتوں اور زمانے کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں ایسے ہی کبھی یہ متعدد ہوتی ہیں اور کبھی متحد جبکہ مسمّٰی ایسا نہیں ہوتا۔

اگر اسم سے مراد لفظ مانیں تو اعتراض ہوگا سبح اسم ربک میں معنی ہوگا اپنے رب کے اسم کی تسبیح کرو حالانکہ تسبیح ذات کی ہوتی ہے نہ کہ اسم (لفظ) کی۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں مراد لفظ ہی ہے اور کوئی خرابی بھی لازم نہیں آئے گی کیونکہ جیسے اللہ عزوجل کی ذات و صفات کی نقائص سے پاکی بیان کرنا واجب ہے ایسے ہی وہ الفاظ جو اللہ عزوجل کے لئے موضوع ہیں ان کی بھی فحش و بے ادبی سے پاکی بیان کرنا واجب ہے۔

مباحث اسم الجلالۃ

مذھب اول: یہ لفظ سریانی ہے

مذھب ثانی: یہ لفظ صفت ہے

مذھب ثالث: علم ہے جامد ہے

مذھب رابع: علم مشتق ہے

مذھب رابع میں اشتقاق کے بارے میں 7 اقوال ہیں (تأثر غلام بن جانا / اشتیاق / غلام کی مانند ہونا)

١) اِلٰہ، اِلٰھۃ، اُلوھۃ، الوھیۃ سے مشتق ہے عبد کے معنی میں

٢) اَلِھۃ سے مشتق ہے حیران ہونے کے معنی میں

٣) الھت الی فلان سے مشتق ہے سکنت الیہ کے معنی میں (سکون حاصل کرنا)

٤) اَلِہَ سے مشتق فزع من امر نزل علیہ کے معنی میں (خوفزدہ ہونا) گھبرانا

٥) الھہ غیرہ سے ماخوذ ہے پناہ دینے کے معنی میں

Scanned by TapScanner

۶) اَلِہَ الفصیل سے مشتق ہے جب اونٹنی کا بچہ ماں سے چھوٹے، کیونکہ بندے بھی عاجزی کے ساتھ مصیبتوں کے وقت بارگاہ الٰہی میں رجوع کرتے ہیں۔

۷) وَلَہ سے مشتق ہے متحیر ہونے اور عقل زائل ہونے کے معنی میں اس کی اصل وِلَاہٌ ہے واؤ کو ہمزہ سے بدلا کسرہ ثقیل ہونے کی وجہ سے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ اس کی اصل اِلاہ، اِعاء، اِشاح کی طرح ہے کہ اس کے شروع میں واؤ مکسور تھی اسے ہمزہ سے بدل دیا تو اِلاہ ہو گیا لیکن اس موقف کا رد اس کی جمع سے ہو جائے گا جو کہ آلِھۃ ہے نہ کہ اولھۃ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اصل میں لاہ تھا جو کہ لاہ یلیہ لیھا لاھا کا مصدر ہے جب کوئی شئی پردے میں ہو تب کہا جاتا ہے یہ۔

القول الراجح انہ صفۃ فی الاصل (امام بیضاوی کا راجح مذہب)

اظہر قول یہ ہے کہ اسم جلالت اصل میں وصف تھا لیکن جب اس پر یہ بات غالب آ گئی کہ یہ غیر میں مستعمل نہیں تو یہ علم کی مانند ہو گیا جیسے ثریا اور صعق ثریا ثروی کی تصغیر ہے (مالدار عورت) لیکن اب ستاروں کا علم ہو گیا کیونکہ ستارے بھی کثیر ہیں جگہ کی قلت کے ساتھ، ثری مالدار ہونا۔

اور صعق (کڑک دار) شدید آواز کو کہتے ہیں پھر بعد میں یہ خویلد بن نفیل کا لقب ہو گیا تو گویا یہ اس کے علم کے قائم مقام ہو گیا۔

تو پیچھے جو احتمالات ثمانیہ کا ذکر ہوا ان میں راجح اِلٰہ یا لِلٰہ بمعنی عبد ہے لفظ اللہ اصل میں وصف ہے نہ کہ علم اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں

۲) اگر لفظ اللہ اصل میں علم ذاتی ہو تو پھر اللہ عزوجل کے اس فرمان کا معنی غلط ہو جائے گا اور قول ہے "وھو اللہ فی السمٰوٰت" خرابی اس طرح لازم آئے گی کہ یہاں ھو مبتدا ہے اور لفظ اللہ خبر اور فی السموات ظرف مستقر تو اس وقت معنی فاسد ہو جائے گا کیونکہ معنی ہو گا وھو اللہ کائن او کائنا،

اور اگر اصل میں وصف ہو تو معنی ہو گا وہ معبود ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ اب استقرار نہیں بلکہ عبادت کا بیان ہے کہ اللہ عزوجل ہی معبودیت کے وصف کے ساتھ متصف ہے زمین و آسمان میں پتہ چلا لفظ اللہ اصل میں وصف ہے۔

۳) اشتقاق کا معنی ہوتا ہے کہ مشتق و مشتق منہ میں مادہ اور معنی میں اشتراک پایا جائے اور وہ یہاں حاصل ہے جیسے اللہ اور الٰہ کے درمیان لفظی و معنوی مناسبت ہے۔

بار اتفاق

لفظ اللہ میں لام اور ہاء کے درمیان والے الف کو حذف کرنے سے عند الجمہور نماز نہ ہوگی ~~کہ یہ فاسد کا جزء ہے اور عند الاحناف ہو جائے گی اگرچہ یہ لحن غلط ہے~~

نعرا صحیح ... یہ جز فاسد نہیں

Scanned by TapScanner

اگر کوئی شخص لفظ اللہ میں بیچ کے الف کو حذف کر کے قسم کھائے تو
بالاتفاق قسم واقع نہیں ہوتی جب تک نیت نہ کرے کیونکہ بالتہ کا معنی
لغوی رطوبت ہے اور جب ایک لفظ دو معنی کا احتمال رکھے تو وہ کنایہ میں سے
ہو جائے گا اور حکم بلفظ الکنایہ میں نیت قسم ضروری ہے۔

سوال: رحمت صفت باری تعالیٰ ہے اور اس کا معنی ہے رقت قلب جبکہ اللہ عزوجل
تو رقت قلب سے منزہ و مبرا ہے نیز ایسے ہی دیگر صفات جن کا تعلق بدن سے ہو،
یا صفت انفعالی جو اثر قبول کرے تو اس کا اللہ عزوجل کے ساتھ اتصاف کیسے درست ہو سکتا ہے؟

جواب: وہ تمام صفات جن میں کیفیات نفسانی ہو ان میں ایک مبدأ اور سبب
ہوتا ہے اور دوسرا معنی مسبب اور اثر ہوتا ہے مثلاً رحمت کا مبدأ تو رقت
قلب ہے لیکن منتہیٰ و مسبب اور اثر تفضل و احسان ہے اور اس طرح
کے تمام صفات میں مراد غایات ہی ہوتی ہیں اور یہ ذکر سبب اور مراد مسبب لینا
مجاز مرسل کے قبیل سے ہے۔

وانما قدم

لفظ رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجوہات 4 بیان کی ہیں

(۱) رحمت دنیا مقدم ہے اس لئے رحمٰن کو رحیم پر مقدم کیا۔
(۲) لفظ رحمٰن علم کی طرح ہو گیا بایں طور کہ اس کے ساتھ غیر اللہ متصف نہیں ہوتا۔
(۳) جب لفظ رحمٰن نے بڑی بڑی نعمتوں پر دلالت کر دی تو اس کے بعد رحیم کو
ذکر کیا تاکہ یہ ان نعمتوں کو شامل ہو جائے جو بڑی نعمتوں میں سے رہ گئی۔ تو
تو گویا یہ الرحمٰن کے لئے تتمہ و ردیف کے مانند ہو گیا۔
(۴) رعایت فواصل کی بناء پر یعنی آیات کے آخر کا حرف کی حفاظت کے لئے۔
یہ قول امام شافعی کے مطابق ہو گا جب بسملہ فاتحہ کا جزء ہو۔ وہ اس طرح کہ
وزن عروضی کا اعتبار کیا جائے جیسے عالمین و رحیم کا وزن ایک ہے۔ یا اس بنا
پر کہ نون اور میم قریب المخرج ہیں تو یہ ایک حرف کے حکم میں ہوئے۔

والاظہر انہ غیر مصروف (راجح یہ ہے کہ رحمٰن غیر منصرف ہے)

در اصل قاعدہ ہے کہ اگر کلمہ کے آخر میں الف نون زائدتان ہوں تو اس کے غیر منصرف
بننے کے لئے چند شرائط ہیں (۱) اگر اسم کے آخر میں ہو تو علمیت کا ہونا شرط ہے۔
(۲) اور اگر صفت میں ہو تو اس کی مؤنث کا فعلی کے وزن پر ہونا۔
یا اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو۔

راجح قول رحمٰن غیر منصرف ہے کیونکہ الرحمٰن اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا اطلاق
مذکر و مؤنث کسی پر بھی نہیں کیا جا سکتا تو اس کی مؤنث کیسے آئے گی۔

Scanned by TapScanner

اور اختصاص کے سبب لفظ رحمٰن اس علمیت کے اصل کی جانب لوٹے گی قبل الاختصاص اور اس کو اس کے مثل لفظوں پر قیاس کیا جائے گا۔

اس کا باب اصل میں فعِل ہے اور بکسر العین (فعِل) والے صیغوں میں غالب یہ ہے کہ اس کا فعلان والا وزن غیر منصرف ہوتا ہے جیسے سکران وغضبان

مصنف نے والاظہر کہا اس کی وجہ ~~اختلاف~~ یہ ہے کہ بعض نحاۃ نے فعلان کے غیر منصرف ہونے کے لیے فعلی کے وجود کی شرط لگائی ہے تو ان کے نزدیک رحمٰن غیر منصرف ہوگا کہ فعلی کا وزن نہیں پایا گیا، جبکہ بعض نے دیگر کی بات بیان کی ہے لیکن مصنف کے نزدیک راجح مذہب کسائی کا ہے اور وہ فعلانۃ کا وزن کا نہ ہونا ہے۔

رحمٰن اور رحیم انہی دو صفات کو بطور خاص ذکر کیا اس کی وجہ یہ کہ بسم اللہ میں باء استعانت کے لیے ہے اور مقصود استمرار تھا یعنی بندہ جان لے کہ حقیقی مدد جس سے طلب کی جائے تو وہ ذات باری تعالیٰ ہی ہے۔

غایت

مزیح

رقۃ

قوی

آی

سترا شتر واحد سیر سیرۃ ہر چیز کا ٹکڑا

مباحث سورۃ الفاتحہ

حمد: ایسی صفت جمیلہ پر تعریف کرنا جو صفت محمود کے اختیار میں ہو چاہے وہ تعریف کسی نعمت کے مقابلہ میں ہو یا نہ ہو۔

صفات کے اختیاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات کا صدور فاعل مختار سے ہو ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ صفات ایسی ذات کی ہوں جو ان صفات کے صادر ہونے میں کسی اور کا محتاج نہ ہو بلکہ خود وجود بالذات ہی صدور کے لیے کافی ہو، لہٰذا اس معنی کے اعتبار سے صفات ذاتیہ غیر اختیاریہ بھی اختیاریہ کے منزل میں ہے۔

مدح: مطلقاً کسی صفت جمیلہ پر تعریف کرنا بس اس مدح میں اختیار کی قید نہیں ہے ورنہ تو اس کی وہی تعریف ہے جو حمد کی ہے۔

وقیل هما اخوان

اور کہا گیا ہے کہ حمد و مدح مشابہ ہیں کیونکہ ان کا استعمال مناسبت میں ہوتا ہے یا یہ اشتقاق کبیر میں مشابہ ہیں بایں طور کہ حروف اصول میں مشترک ہیں بغیر ترتیب کے۔ ترادف والا معنی مراد لینا صحیح نہیں۔

Scanned by TapScanner

شکر : لغۃً وہ فعل جو منعم کے تعظیم کی خبر دے اس کے منعم ہونے کی وجہ سے خواہ
یہ فعل زبان سے ہو یا ارکان سے یا قلب سے۔
اصطلاحاً بندے کا تمام منفعات کو اس طرف پھیر دینا جن کے لئے ان کی وضع ہو۔
یہاں پر متن میں شکر سے لغوی معنیٰ مراد ہے اور شعر میں بھی یہی مراد ہے۔

حمد و مدح متعلق کے اعتبار سے عام ہیں کہ یہ نعمت و غیر نعمت کے مقابلے
میں ہوتے ہیں۔ اور شکر خاص ہے کہ یہ فقط نعمت کے مقابلے میں ہوتا ہے
اور مورد کے اعتبار سے شکر عام ہے کہ یہ دل زبان اعضاء سے ہوتا ہے جبکہ
حمد و مدح مورد کے اعتبار سے خاص ہیں۔
اور محمود علیہ کے اعتبار سے حمد خاص اور مدح عام ہے کہ حمد اختیاری خوبیوں پر ہی ہوتا ہے۔
جبکہ مدح اختیاری و غیر اختیاری دونوں پر۔

ولما کان الحمد

حمد شکر کی قسموں میں سے نعمت کو زیادہ ظاہر کرنے والا شعبہ ہے کیونکہ حمد میں
اعتقاد مخفی ہوتا ہے جبکہ اعضاء سے شکر میں ریا کا بھی احتمال ہے اسی بنا پر
حمد کو شکر کا اصل قرار دے دیا گیا ہاں حمد یہ حقیقۃً شکر کا جزء نہیں ہے
بلکہ تشبیہ بلیغ کے طور پر یہ کہا گیا ہے کہ حمد شکر کے شعبوں میں سے اجل و اول ہے
اس بناء پر حمد اہم ترین جزء ہوا شکر کا بایں معنی کہ جب حمد نہ پائی جائے تو
شکر کا معنی بھی نہیں پایا جائے گا۔

اضداد کا بیان

حمد کی نقیض ذم ہے اور مدح کی نقیض ہجو اور شکر کی نقیض کفران ہے
جب علامہ بیضاوی نے اضداد کا ذکر کیا تو اس سے سمجھا گیا کہ حمد و مدح مترادف
ہیں کیونکہ ذم دراصل مدح کی نقیض ہے حمد کی نقیض لغۃً میں ہجو آتی ہے۔ تو
جب ایک کی نقیض دوسرے کی جگہ ذکر کی گئی تو یہ قرینہ ہے ان کے مترادف ہونے کا عند المصنف۔

الحمد اصل میں مصدر مفعول مطلق ہے اصل عبارت یہ ہے نحمد الحمد للہ یہاں
جملہ فعلیہ سے عدول کر کے اسمیہ بنا دیا جیسے سلام علیک اصل میں سلمت سلاما علیک تھا۔
قاعدہ ہے جب جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی جانب عدول کیا جائے تو دوام کا فائدہ دیتا ہے
اسی لئے الحمد میں عدول کیا گیا۔

بحث ال فی الحمد

الحمد میں الف لام یا تو جنسی ہے یا استغراقی جنسی مانیں تو معنی ہوگا کہ
ماہیت حمد جس کو تمام انسان جانتے ہیں اللہ کے لئے ہے۔ باستغراق میں معنی ہوگا تمام افراد حمد اللہ کے لئے ہیں

Scanned by TapScanner

رب العلمین

لفظ رب کے بارے میں 2 قول ہے

(۱) مصدر ہے تربیت کے معنی میں یعنی کسی شیئی کو اس کے کمال تک درجہ بدرجہ پہنچانا

(۲) صفت مشبہ ہے ربّ یربّ سے مالک کا نام ہے رکھا گیا کہ وہ اپنی مملوک کی حفاظت کرتا ہے ، مصدر ماننے کی صورت میں مبالغۃً اللہ کی صفت بنایا گیا ۔

سوال: مصدر والے احتمال کو قوی و مقدم کیوں رکھا اور صفت کو مؤخر کیوں لیا ؟

جواب: (۱) احتمال مصدر میں مبالغہ کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ تو عمدہ چیز ہے ۔
(۲) نیز مصدر کی صورت میں تاویل کی حاجت نہیں جبکہ صفت مشبہ والی صورت میں متعدی سے لازم کی جانب عدول کی حاجت ہوگی ۔

عالم: یہ اسم آلہ کا صیغہ ہے جیسے خاتم ، قالب

عالم ممکن ہے اور ہر ممکن اپنے وجود میں مؤثر کی محتاج ہوتی ہے اور ہر وہ شیئی جو مؤثر واجب لذاتہ کی جانب محتاج ہو وہ اس مؤثر کے وجود پر دلالت کرتی ہے لہٰذا جواہر و اعراض مؤثر کے وجود پر دلالت کرتے ہیں ۔

عالم لغۃ: جو کسی شیئی کے حصول کا ذریعہ ہو

خاتم: مہر لگانے کا ذریعہ ۔ قالب: حصول قلب کا ذریعہ

جواہر و اعراض کہا اس کے بجائے اجسام و اعراض نہیں کہا جیسا کہ کشاف کا قول ہے کیونکہ اجسام جوہر فرد اور مرکب من جوہرین یا مرکب من ثلاثۃ جواہر کو شامل نہیں کیونکہ یہ اعراض نہیں ہے نہ ہی جسم ہے کیونکہ جسم معتزلہ کے نزدیک وہ ہے جو طویل عریض عمیق ہو ۔ لہٰذا کشاف کے قول سے عدول اس لئے کیا کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے علاوہ تمام کو شامل نہیں تھا کیونکہ جوہر فرد و مرکب خارج ہو رہے تھے ۔

قرئی رب العلمین

قرأت شاذہ یہ ہے کہ رب کو منصوب پڑھا جائے یا تو مدح کی بناء پر مثلاً امدح رب العلمین ، یا حرف ندا کو محذوف مان کر ، یا فعل مقدر مان کر جیسے نحمد رب العلمین ۔

الرحمن الرحیم

سوال: حنفیہ کہتے ہیں جب تسمیہ فاتحہ کا جز ہے تو ان صفات کو ذکر کرنے سے تکرار لازم آرہا ہے بغیر فائدہ کے ؟

جواب: یہاں حمد کے استحقاق کی تعلیل بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ حکم کا وصف پر مرتب ہونا علت کی خبر دیتا ہے ، در اصل یہاں دو حکم ہیں بسم اللہ میں استعانت باللہ کا حکم تھا تو یہ وہاں اس کی علت تھے ، اور یہاں حکم الحمد للہ ہے تو یہاں اس کی علت لہٰذا تکرار نہیں ہے

Scanned by TapScanner

مالک یوم الدین

عاصم، کسائی، یعقوب ان کا کہنا ہے کہ مالک والی قرأت راجح ہے۔
دلیل آیہ کریمہ ہے "یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للہ" اس
آیت کریمہ میں تملک، ملک سے ماخوذ ہے نہ کہ ملک سے اور امر امور کی جمع ہے واحد
نہ کہ اوامر کی لہذا تمام امور کے لئے مالکیت کو ثابت کرنا مناسب ہوگا۔

وھو المختار

ہم کہتے ہیں کہ مختاریت ہمیں مسلم نہیں ہے کیونکہ دونوں قرأتیں ہی متواتر ہیں تو
لہٰذا کسی ایک کو مختار کہنا درست نہیں۔ قرأتیں متعدد اس لئے ہیں تاکہ
صفات متعدد ہونے کا فائدہ دیں تو اللہ رب العزت مالک بھی ہے اور ملک
بھی جیسے ارشاد ہے، "الملک القدوس" "قل اللھم مالک الملک" ۔

سوال:- مالک یوم الدین لفظ اللہ کی صفت واقع ہے اور موصوف و صفت میں مطابقت ہوتی ہے جبکہ یہاں موصوف معرفہ ہے اور صفت نکرہ کیونکہ مالک یوم الدین میں اضافت لفظی ہے اور اضافت لفظی تعریف کا فائدہ نہیں دیتی (لفظی وہ ہے جس میں اسم فاعل مضاف ہو یا مفعول)؟

جواب:- اسم فاعل و مفعول کے عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور یہاں مالک اس معنی میں نہیں ہے بلکہ ماضی یا استمرار کے معنی میں ہے تو جب یہ حال و استقبال کے معنی میں نہ ہوا تو اضافت معنوی ہوگی جو کہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔

یا سارق اللیلۃ اہل الدار اس مثال میں لیل کو مبالغۃً مسروق بنایا گیا ہے
اصل میں یا سارقا فی اللیلۃ تھا تو مفعول فیہ کو مفعول بہ کے قائم مقام کر کے اضافت لامیہ بنا دیا ایسے ہی قاعدہ مجاز کے تحت مالک یوم الدین میں اضافت مفعول فیہ کی جانب کی لیکن مفعول بہ مبالغۃً بنا کر اضافت کی۔
یہاں مبالغہ ہے ذکر ملزوم و ارادہ لازم کے طور ارادہ ہے مالک الامور کلھا فی یوم الدین۔

قاعدہ ہے کہ جب کسی موصوف بالصفۃ پر حکم لگایا جائے تو ان اوصاف کا مبدأ اشتقاق حکم کی علت ہوتا ہے یہاں پر بھی استحقاق حکم ہے یہ وصف تین اوصاف کا مجموعہ ہے
۱) تربیت ۲) اضافت النعم کلھا۔ ۳) مالکیۃ المجازات بالثواب والعقاب۔
یعنی حکم کا وصف پر مرتب ہونا یہ بتاتا ہے کہ وصف حکم کے لئے علت ہے۔
وللاشعار من طریق المفھوم

شوافع مفھوم مخالف کے قائل ہیں تاکہ آیت مالک یوم الدین تک دلیل بن جائے ایاک نعبد کے لئے کہ ایاک میں عبادت کو اللہ عزوجل کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔

Scanned by TapScanner

فالوصف الاول

جب اوصاف کو اجمالی طور پر بیان کر دیا تو اب تفصیلاً ذکر کر رہے ہیں کہ وصف اول رب العلمین ایجاد و تربیت پر دال ہے اور ایجاد و تربیت موجب حمد ہیں اور وصف ثانی و ثالث (رحمن و رحیم) اس بات پر دال ہیں کہ اللہ عزوجل انعامات کرنے میں مختار ہے نہ کہ مجبور۔ جیسا کہ معتزلہ و فلاسفہ کا کہنا ہے

ایجاب بالذات کا معنی ہے انعام کرنے میں مجبور ہونا۔ ایسے ہی فلاسفہ کا کہنا ہے صالحین پر انعام کرنا ان کے سابقہ اعمال کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے ہے۔

بنی اول الکلام

پہلے کے دو نکتے (۱) اول (۲) ترقی والے علماء ظواہر کے تھے اور اب علماء باطن کے نکتے کو بیان کر رہے ہیں تصوف کے لحاظ سے کہ عارف کے دو حال ہوتے ہیں ابتدا و انتہاء ابتدا میں عارف کو ذکر بار بار کرتے رہنا ہے اور اسماء و صفات میں غور و فکر اور نعمتوں میں نظر اور مصنوعات سے عظمت شان اور غلبہ سلطنت پر دلیل پکڑتا ہے۔ پھر ریاضت کے بعد انتہائی درجہ ہے وہ کہ بندہ ذات الہی میں مستغرق ہو جائے ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو جائے۔

عائر وہ رطوبت جو آنکھوں سے ڈھلتی ہے۔ **التفنن** مختلف ڈھنگوں سے کلام کرنا

ارمد وہ شخص جو آنکھوں کے درد میں مبتلا ہو۔

نحاۃ کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ لفظ ایا ضمیر ہے (نحاۃ سے مراد خلیل سیبویہ مبرد وغیرہ) لیکن کاف ہاء یا الفاظ یا وغیرہ کے تعلق سے خلیل کا الگ موقف ہے

(۱) خلیل :- کاف ہا یا اسماء ہیں اور ایا کے مضاف الیہ ہیں جس وجہ سے مجرور ہیں

(۲) دیگر نحاۃ :- یہ سب حروف ہیں ان کا کوئی محل اعراب نہیں لفظ ایا کے تکلم وغیرہ پر دلالت کے لئے بڑھائے گئے ہیں جیسے انت میں تا اور اینک میں کاف۔

دلیل خلیل نحوی :- عرب کا قول ہے ایا السواب یہاں ایا کو مضاف استعمال کیا گیا ہے جیسے ایاہ و ایاک میں مضاف ہے۔

لیکن اس قول کا رد کر دیا بیضاوی نے شاذ لا یعتمد کہہ کر کہ یہ ضعیف ہے نیز یہاں ضمیر کی اضافت اسم ظاہر کی جانب ہو رہی ہے جبکہ ضمیر مضاف نہیں ہوتی۔

(۳) یا ہا کاف یہ سب ضمیریں ہیں لفظ ایا ضمیر نہیں بلکہ ایک عمدہ سہارا ہے

کوفیین :- بعض نے اس کا رد کیا کہ کسی شئی کا سہارا اصل سے بڑا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ایا میں الفاظ زیادہ ہیں

(۴) دونوں کا مجموعہ ضمیر ہے

الاستعانة طلب المعونة

استعانت : طلب معونت کو استعانت کہتے اور اس کی دو صورتیں ہیں

۱) ضروریہ ۔ ۲) غیر ضروریہ ۔ ضروریہ وہ ہے جس کے بغیر فعل ادا ہی نہ ہو جیسے فاعل کو قدرت دینا اور فاعل کو اس کا تصور کرنا نیز آلہ و مادہ کا ہونا جس سے فاعل فعل ادا کرے گا جب یہ تمام معونات جمع ہو جائیں تو انسان استطاعت کے ساتھ متصف ہوگا ۔

غیر ضروریہ : جس کے ذریعہ فعل آسان ہو جائے جیسے پیدل چلنے پر قادر کے لئے سواری مہیا ہونا ۔

یہاں طلب معونت سے یا تو تمام امور مراد ہیں یا عبادت کی ادائیگی مراد ہے

معونت ضروریہ کو اصول فقہ میں قدرت ممکنہ کہتے ہیں ۔

وجہ اب ایجاب : اس کی حاجت پوری کر دیا جائے ۔

والسراط

صراط اصل میں سراط تھا کہ اس کی ماخذ سَرط آتی ہے لیکن سین کو صاد سے بدل دیا گیا وجہ یہ ہے کہ طاء حروف مجہورہ مستعلیہ سے ہے اور سین مہموسہ منخفضہ میں سے تو یہاں دو صفات متضادہ کا جمع ہونا ثقل کا باعث تھا اس لئے سین کو صاد سے بدل دیا ہے کیونکہ صاد کو طاء اور سین دونوں سے مناسبت حاصل ہے طاء سے حروف مطبقہ ہونے میں اور سین سے مہموسہ ہونے میں

بعض لوگ صاد سے بدلنے کو اشمام کہتے ہیں ۔

اشمام : ایک حرف کو دوسرے حرف سے ملا دینا تو بعض حضرات صاد کو زاء سے ملا کر پڑھتے ہیں بایں طور کہ ہونٹوں کے درمیان کشادگی اکھٹا کر ملنے نہ دیا جائے ۔ اشمام کی وجہ تاکہ صاد اپنے مبدل منہ سین سے زیادہ قریب ہو جائے کیونکہ سین اور زاء منخفضہ و منفتحہ میں سے ہیں اور صاد مستعلیہ مطبقہ میں سے تو جب زاء کی آواز پیدا کریں گے تو اب اقرب الی السین ہو جائے گا ۔

صراط الذین

صراط الذین انعمت علیھم بدل واقع ہے صراط مستقیم سے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ تاکید و تنصیص ہو جائے اس بات پر کہ مسلمانوں کا راستہ وہی ہے جس کے مستقیم ہونے کی گواہی دی گئی ۔

دعوئی تکریر : بدل چونکہ نسبت میں مقصود ہوتا ہے اس لئے بدل کے ذکر کے وقت نسبت بھی ملحوظ ہوگی اور نسبت کا تکرار عامل کے تکرار سے ہوتا ہے تو بدل سے پہلے حکما عامل مکرر ہوگا ۔

Scanned by TapScanner

غیر المغضوب علیہم

اس کو بدل بھی بنا سکتے ہیں اور صفت بھی بدل میں معنی ہوگا جو منعم علیہم ہیں
وہی سالم من الغضب والضلال ہیں ، بدل کل اس لئے مراد لیں گے کہ یہ فرد کامل ہے

صفت :- وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے معنی پر دلالت کرے

صفت کے اندر دو صورتیں ہیں یہاں پر (۱) جہت موصوف (۲) جہت موصول
موصول کی صورت میں مدح (انعمت) کا معنی پایا جائے گا ۔
اور موصوف کی صورت میں سالم من الغضب والضلال کا معنی پایا جائے گا ، معنی ہوگا
ان لوگوں کا راستہ جو جامع ہیں نعمت مطلقہ (ایمان) اور نعمت سلامت کے

(یعنی صفت کی صورت کی نوعیت)

صفت بنانے کے بعد دو صورتیں ہوں گی ۱) صفت کاشفہ ۲) صفت مقیدہ

(۳) صفت مادحہ محض موصوف کی مدح کے لئے جو آئے ۔

صفت بیینہ ۱) صفت کاشفہ :- جو موصوف کے ابہام و اجمال کو دور کرے ۔
۲) صفت مقیدہ :- جو موصوف عام کو خاص کرے ۔

صفت کاشفہ و مقیدہ کی تعیین ایمان کی تعیین پر موقوف ہے ۔

ایمان مطلق :- فقط تصدیق و اقرار باللسان

ایمان کامل :- تصدیق قلبی کے ساتھ اس کے تمام تقاضوں پر عمل پیرا ہونا ۔

ایمان مطلق خلود فی النار کو حرام کر دیتا ہے لیکن دخول اول فی الجنۃ کو ثابت نہیں کرتا
جبکہ ایمان کامل دخول اولی کو ثابت کرتا ہے ۔ تو جو متصف ہوں ایمان مطلق کے ساتھ
ان کا سالم من الغضب ہونا ضروری نہیں اور کامل مؤمنین کے لئے محفوظ رہنا ضروری ہے
تو اگر ایمان سے مطلق ایمان مراد لیں تو غیر المغضوب والی صفت مقیدہ ہوگی
کہ اس صورت میں انعمت علیہم مؤمنین فاسقین دونوں کو شامل ہوگی تو اب
غیر المغضوب سے فاسقین کو خارج کر دیا ۔ اور مؤمنین کاملین کو خاص کر دیا ۔
اور اگر ایمان کامل مراد ہو تو صفت کاشفہ ہوگی اس طور پر کہ انعمت علیہم میں
سلامت کا معنی ملحوظ ہوگا کہ کامل مؤمن کا سالم ہونا ضروری ہے لیکن کچھ ابہام
تھا یہاں پر تو غیر المغضوب نے اس کی وضاحت کر دی ۔

سوال :- الذین معرفہ ہے اور غیر نکرہ لہذا موصوف صفت نہیں بن سکتے ؟

جواب :- صفت بنانا دو تاویلوں میں سے کسی ایک کو ماننے سے درست ہو جائے گا ۔
۱) موصول کو نکرہ کے قائم مقام کر دیا جائے ۔
۲) غیر کو بسبب اضافت معرفہ بنا دیں کہ غیر اس کی طرف مضاف ہے جس
کی ایک ہی ضد ہے لہذا اب وہ متعین ہو گیا ۔

ان امتنع انا زیدا مثل ضارب

اس مثال میں زیدا مفعول بہ ہے جو کہ ضارب کا معمول ہے
قاعدہ ہے کہ مضاف و مضاف الیہ کی ترکیب میں جو شئی مضاف الیہ کے تحت مذکور ہو

وہ شیٔ مضاف سے مقدم نہیں ہو سکتی کیونکہ جب مضاف الیہ خود مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا تو مضاف الیہ کا معمول کیسے بن سکتا ہے اسی لئے یہ مثال درست نہیں اس کی اصل عبارت ہے أنا مثل ضارب زیدا۔
جبکہ أنا زیدا لاضارب میں لا فقط نافیہ ہے اور غیر والی مثال میں لا کے معنی میں ہے۔

آمین

یہ اسم فعل ہے نہ کہ فعل کیونکہ فعل اس لفظ کو کہتے ہیں جو دال ہو معنی فی نفسہ پر اور مقترن باحد الازمنۃ الثلٰثۃ ہو جبکہ آمین ایسے لفظ استجب پر دلالت کرتا ہے جس لفظ کے معنی مقترن باحد الازمنۃ الثلٰثۃ ہوتے ہیں۔

سورۃ البقرہ

حروف معانی جو اسم و فعل کے مقابلے میں آئے
حروف مبانی وہ حروف جس سے کلمہ کی بنا کی جائے لیکن خود کلمہ نہ ہوں مثلاً زید میں ز، ی، د۔ حروف مبانی کے مستقل نام ہیں کلمہ کے حروف جاری شمار کرتے وقت انہی اسماء کے ذریعے ان حروف کو تعبیر کیا جاتا ہے
ان کو الفاظ تہجی بھی کہتے ہیں (تہجی: وہ الفاظ جن کے ذریعے حروف مسمیات کو شمار کیا جائے)

حدیث کا جواب (۱) حدیث میں حروف سے لغوی حروف مراد ہے کیونکہ اصطلاحات تو بعد میں پیدا ہوئیں۔
(۲) تسمیۃ الدال باسم المدلول کے قبیل سے ہے الفاظ تہجی پر مجازاً حرف ہونے کا حکم لگا دیا گیا۔
(۳) اسم کبھی مسمّٰی کا عین ہوتا ہے جیسے زید کاتب میں اسم مسمی کا عین ہے ایسے ہی الف حرف میں بھی تو جس طرح "زید کاتب" میں کاتب کا حکم زید کے لفظ پر نہیں بلکہ مسمی زید پر ہے ایسے ہی حرف ہونے کا حکم الف پر نہیں بلکہ مدلول الف و مسمّٰی الف پر ہے اور مسمی بالاتفاق حرف ہے تو پتہ چلا کہ الفاظ تہجی اسم ہیں نہ کہ حرف۔

ثم ان مسمیاتھا

یہاں سے الفاظ تہجی کو اوائل سُوَر میں لانے کی وجہ بیان کر رہے ہیں
کشاف نے اجمالاً 3 وجہیں ذکر کی ہیں الفاظ تہجی کو ذکر کرنے کی (۱) الفاظ تہجی نام ہیں اس لئے ان کو اولاً ذکر کیا (۲) ایقاظ (۳) دلائل اعجاز کے مقدمہ ہیں
مصنف نے ان میں آخری دو کو بیان کیا ہے
الفاظ تہجی کے مسمیات کلام کی اصل اور ایسے حروف مفردہ ہیں جن سے کلام مرکب ہوتا ہے اس لئے ان الفاظ کے تکلم کو شروع میں ذکر کر دیا مقصد لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے۔

Scanned by TapScanner

وھو اُنہ اُور د

۲۹ سورتوں کے شروع میں حروف تہجی لائے گئے ہیں حروف تہجی کے تعداد کے اعتبار سے 14 حروف مقطعات حروف کی انواع کے نصف پر مشتمل ہیں

8 سورتوں میں الٓمٓ — 2 سورتوں میں طٰسٓمٓ
5 سورتوں میں الٓرٰ — 1 سورۃ میں طٰسٓ
1 سورۃ میں یٰسٓ — 1 سورۃ میں صٓ (صاد)
1 سورۃ میں کٓھٰیٰعٓصٓ — 6 سورتوں میں حٰمٓ
1 سورۃ میں طٰہٰ — 1 سورۃ میں قٓ
2 سورتوں میں حٰمٓ عٓسٓقٓ — 1 سورۃ میں نٓ

تو یہ کل ملا کر ۲۹ سورتیں بنتی ہیں۔ ان تمام الفاظ تہجی کا مجموعہ 76 ہے لیکن مکررات کو ساقط کرنے کے بعد 14 باقی رہتے ہیں

صفات کے اعتبار سے حروف کی جتنی تقسیمات ہیں وہ آپس میں متبائن بنفسہا نہیں ہیں بلکہ ایک تقسیم کے اقسام دوسری تقسیم کے اقسام کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں مثلاً حروف مہموسہ شدیدہ کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔

حروف مہموسہ جو ۱۰ ہیں ان میں سے نصف (5) کو لے لیا گیا مجموعہ سَتَشْحَثُكَ خَصَفَہ
باقی بچے مجہورہ جو 18 ہیں " (8) کے مجموعہ لن یقطع امر
حروف شدیدہ جو 8 ہیں " (4) کے اَجِدُتَ طَبَقَكَ
رخوہ جو ۱۰ ہیں ان کو پورا لے لیا گیا مجموعہ حمس علی نصرہ
حروف مطبقہ جو 4 ہیں ان کا نصف (2) کو لیا گیا
حروف منفتحہ میں سے نصف کو لیا گیا
حروف قلقلہ جو 5 ہیں ان سے نصف اقل کو لے لیا گیا۔
حروف لین میں سے یاء کو لیا گیا کہ اس میں ثقل کم ہے۔
حروف مستعلیہ میں سے نصف اقل کو لے لیا گیا۔
حروف منخفضہ میں سے نصف کو لے لیا گیا۔

مہموسہ: وہ حروف جن کا اعتماد مخرج پر کمزور ہو یعنی ان کی ادائیگی کے وقت سانس نہ رکتی ہو بلکہ ادائیگی بھی ہوتی ہو اور سانس بھی چلتی ہو۔
مجہورہ: وہ حروف جن کا مخرج پر اعتماد قوی ہو یعنی ادائیگی کے وقت سانس رک جائے تو آواز میں جہر پیدا ہوگا اسی لئے مجہورہ کہتے ہیں۔

Scanned by TapScanner

شقشقیہ :- عنقریب تجھ سے الحاح و زاری رک گئی خصف -

خصف :- لن یقطع امر ؟ معاملہ کبھی ختم نہیں ہو گا -

حمس علی نصرہ :- وہ اس کی مدد پر شجاع ہے -

صفت حرف کی دوسری تقسیم کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں شدیدہ، رخوہ

شدیدہ اور مجہورہ کے مابین فرق یہ ہے کہ

مجہورہ میں سانس رک جاتی ہے اور شدیدہ میں آواز رک جاتی ہے،

ایسے ہی مہموسہ و رخوہ کے مابین فرق ہے مہموسہ میں سانس جاری رہتی ہے،

لیکن کبھی آواز جاری رہتی ہے اور سانس رک جاتی ہے جیسے عین اور ضاد میں

اور کبھی سانس جاری رہتی ہے اور آواز رک جاتی ہے جیسے کاف اور تاء میں

مطبقہ :- وہ حروف جن کی ادائیگی کے وقت زبان کا کچھ حصہ تالو کے قریب والے حصے سے مل جاتا ہے -

منفتحہ :- وہ حروف جن کی ادائیگی کے وقت زبان کا کچھ حصہ درمیانی حصہ تالو سے نہیں ملتا بلکہ تالو اور زبان کے درمیان میں کشادگی رہتی ہے ۔ ان میں سے 2، 14 میں مذکور ہیں -

قلقلہ :- وہ حروف جو اضطراب کے ساتھ نکلتے ہیں -

لین :- وہ حروف جن کی ادائیگی بہت آسانی سے ہوتی ہے

صفت حرف کی اقسام میں سے حروف بدل بھی ہیں جن کی تعداد 11 ہے عند سیبویہ

ان کا مجموعہ اجد طویت منھا ہے ان میں سے 7 کو لیا گیا ہے

حروف بدل :- وہ حروف جو دوسرے حروف کے عوض میں آتے ہیں ۔ جیسے اواصل

میں ہمزہ کو واؤ سے بدلا گیا ، البوعلج میں ج یا مشددہ سے بدلا ہوا ہے اصل میں البوعلی تھا ،

دال تاء سے بدلا ہوا ہے جیسے فزدُ و اجدمعوا کی اصل فزتُ اور اجتمعوا ہے

طاء تا کے بدلے میں آتا ہے جیسے اصطبر اصل میں اصتبر تھا -

واؤ یا کے بدلے میں جیسے موقنٌ اصل میں میقن تھا -

یاء واؤ کے بدلے میں جیسے میقات اصل میں موقات تھا -

تاء واؤ کے بدلے میں تخمۃ اصل میں وخمۃ تھا -

میم واؤ کے جیسے فمٌ اصل میں فوہٌ تھا -

نون لام کے بدلے آتا ہے جیسے لعن اصل میں لعلَ تھا -

ہاء ہمزہ کے عوض میں آتا ہے جیسے ہرقت اصل میں ارقت تھا

بعض لوگوں نے حروف ابدال پر مزید 7 کا اضافہ کیا ہے

1) اصیلال اصل میں اصیلان تھا - 2) صراط اصل میں سراط تھا ایسے ہی زراط بھی

پہلا نون لام دوسرا صاد تیسرا زاء

۴) چوتھا حرف فاء ہے اجدف میں یہ ثا سے بدلا ہوا ہے اصل میں اجدث تھا۔
۵) حرف عین ہے اعن میں یہ ہمزہ سے بدلا ہوا ہے اصل میں أإنّ تھا۔
۶) ثاء ہے ثروغ الدلو میں یہ فاء سے بدلا ہوا ہے اصل میں فروغ الدلو تھا۔
۷) باء میم سے بدلا ہوا ہے اصل میں باسمک فاسمک تھا۔

لا يقال لم لا يجوز یہاں سے 4 وجوہ بیان کر رہے ہیں

۱) حروف مقطعات اس بات پر تنبیہ اور دلالت کے لئے زائد کئے گئے ہیں کہ پہلا کلام ختم ہو گیا اور دوسرا کلام شروع ہو رہا ہے یہی قطرب کا قول ہے۔
۲) ان حروف سے ایسے کلام کی طرف اشارہ ہے جن سے یہ مختصر کئے گئے ہیں، جس طرح شاعر نے وقفت یا قف کی جگہ قاف کہہ دیا اختصاراً، اور جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے کہ الف سے مراد اللہ کی نعمتیں لام سے لطف اور میم سے اللہ کی ملک وغیرہ بعض اقوال کے مطابق
۳) ان حروف کے اعداد (بحسب الأبجد) کے اعتبار سے قوموں کی مدتیں اور آجال مراد ہیں۔
۴) یہ حروف مبسوط پر دال ہیں ان سے قسم کھائی گئی ان کے شرف کی بنا پر۔ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے اصل ہیں اور خطاب کے اصل ہیں۔

مشکاۃ: حبشی زبان کا لفظ ہے معنی وہ طاق جس میں چراغ رکھا جائے
سجیل: فارسی زبان کا لفظ ہے معنی سخت مٹی، کنکر، پتھر
قسطاس: رومی زبان کا لفظ ہے معنی ترازو۔ یہ الفاظ باوجود عجمی ہونے کے عربی میں مستعمل ہیں

وان القول بانها یہاں سے اسمای سور ہونے پر (حروف تہجی کے) ۳ اعتراض نقل کر رہے ہیں

۱) الفاظ تہجی کو اسمای سور قرار دینا غلط ہے کہ یہ قاعدہ عرب کے خلاف ہے کہ ۳ اسموں کو اکٹھا کر کے نام رکھا جائے، ہاں ۲ اسموں سے ملا کر نام رکھنا درست ہے مثل بعلبک۔
۲) اگر ان الفاظ تہجی کو اسما سور مانیں گے تو اسم و مسمّٰی کا اتحاد لازم آئے گا حالانکہ اسم و مسمی میں اتحاد غیر مشہور ہے۔ چونکہ الٓم نام ہے تمام سورت کا اور تمام سورت میں خود الٓم بھی ہے اور جو حکم کل پر لگتا ہے وہی جزء پر لگتا ہے تو الٓم خود الٓم کا بھی اسم ہوا تو اس طرح اسم و مسمی ایک ہو گئے تو اتحاد لازم آگیا۔
۳) جزء کل پر مقدم ہوتا ہے اور اسم مسمّٰی سے مؤخر کیونکہ اسم تعین مسمّٰی کے لئے آتا ہے تو پہلے مسمی ہوگا تبھی تو تعین ہوگی تو اگر الفاظ تہجی کو اسمای سور مانیں گے تو اسم کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مؤخر ہو اور الفاظ تہجی سورتوں کے جزء بھی ہیں ان کا تقاضہ یہ ہے کہ مقدم ہوں تو اس طرح تقدم و تاخر جمع ہو گئے جس سے تقدم الشیء علی نفسہ لازم آیا اور یہی دور ہے اور دور باطل ہے۔

جوابات الاعتراضات الواردة

۱) ابھی کوئی مثال نہیں پائی جاتی جس میں یہ ہو کہ حروف مقطعات انقطاع ہو
تنبیہ و دلالت کے لئے زائد کئے گئے ہوں، اور استیناف والی جو بات بیان کی
تو اس کا جواب یہ ہے کہ استیناف تو ان حروف کے علاوہ کو بھی مستلزم ہے کہ دوسری
سورتوں سے بھی تو استیناف کیا جاتا ہے اور وہاں حروف مقطعات نہیں ہوتے۔

۲) اہل عرب کے نزدیک یہ حروف کلمات معینہ کے اختصار کے لئے مستعمل نہیں ہیں،
شعر جو آپ نے پیش کی وہ شاذ ہے، اور ابن عباس کا قول اس بات پر دال ہے
کہ یہ حروف اسماء کے اصل اور خطاب کے مبادی ہیں اور امثلہ حسنہ کے ساتھ تمثیل ہے
کیونکہ ہر کلمہ کو کلمات متباینہ سے شمار کیا ہے اور وہاں کوئی مخصص بھی نہیں جو خاص
کرے کہ یہ معانی مراد ہیں دوسرے نہیں۔

۳) یہ حروف مورد اقوال کے لئے بھی موضوع نہیں کہ انہیں معربات کلمہ سے ملایا جائے
اور حدیث بھی اس بات پر دال نہیں کہ ممکن ہے حضور نے تعجباً تبسم فرمایا ہو۔

۴) ان حروف کو مقسم بہا بنانا اگرچہ محال نہیں لیکن اس صورت میں چند چیزوں
کو پوشیدہ ماننے کی ضرورت پیش آئے گی جس پر کوئی دلیل نہیں۔

والتسمیۃ بثلثۃ اسماء

۱) تسمیہ کی 2 قسمیں ہیں (۱) تسمیہ باسماء مرکبہ بنائیہ (۲) تسمیہ باسماء منثورہ
یعنی اگر ایسی تسمیہ رکھا جائے جیسے بعلبک ہے مرکب بنائی کے طور پر تو یہ دا اسماء
کے ساتھ ہی جائز ہے۔
اور اگر دوسری صورت ہو یعنی ہر کلمہ کو علیحدہ علیحدہ کسی چیز کا نام رکھا جائے جیسے
اسماء عدد بطور اسماء منثورہ کے تو یہ جائز ہے۔
سیبویہ کے قول سے بھی تائید ہوتی ہے کہ اس نے کہا ہندہ کے ایک حصہ کو جملہ بھی کہہ سکتے ہیں
بیت بھی، اور حروف معجم کے اسماء کا ایک حصہ بھی۔

والمسمی

۲) جب کل کو ہیئت اجتماعیہ حاصل نہ ہو تو کل اور جزء کا حکم ایک ہوتا ہے لیکن اگر
حاصل ہو تو کل و جزء میں تغایر ہوگا اور فواتح سور میں یہی بات ہے کہ مسمی
تو ساری سورت کا مجموعہ ہے اور اسم یعنی الٓمٓ اس مجموعہ کا نام ہے۔
تو جب کل کو مجموعہ من حیث المجموعہ مانا اور اسم کو اس مجموعہ کا جزء تو اتحاد کہاں رہا۔

وھو مقدم من حیث ذاتہ

۳) دو اہم بات (۱) تأخر وصفی تأخر ذاتی کو مستلزم نہیں (۲) استحالۂ دور کے لئے شیئ
کا توقف من جھۃ واحدۃ ہونا ضروری ہے۔
الفاظ تہجی کے جزء ہونے کا تقاضا تو ہے کہ مقدم ہوں اور اسم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ مؤخر ہوں
دور اس طرح ختم ہوا کہ جزء تقدم ذاتی کو اور اسم تأخر وصفی کو چاہتا ہے تو۔

Scanned by TapScanner

الفاظ تہجی بذاتہ مسمّی پر مقدم ہیں کہ یہ قبل نزول سورت بھی موجود تھے لیکن
مگر اسمیت سورۃ کے ساتھ متصف ہونے کے لحاظ سے مؤخر ہیں تو لہٰذا تقدم و
تأخر کی جہت الگ ہے۔

ولیس شیئ منھا

عند الکوفیین: اوائل سور میں سے کوئی بھی آیت نہیں بجز حروف مقطعات میں سے کوئی آیت نہیں
کوفیین: اوائل سور کے آیت ہونے کے متعلق 4 صورتیں بنتی ہیں
(۱) آیت نہ ہو جیسے الٓرٰ (۲) آیت تو نہیں مگر وہ جو آیت میں ہے وہ حرف الٓمٓ ہے
(۳) جو ایک آیت ہو جیسے الٓمٓصٓ (۴) دو آیتیں ہوں جیسے حٰمٓ عٓسٓقٓ
آخری: ان کا آیت ہونا یا نہ ہونا توقیفی بات ہے قیاس کو اس میں دخل نہیں
سوال: جب یہ سب توقیفی ہیں تو اختلاف کیسا؟
جواب: اختلاف کا سبب اعتبار روایت ہے یا عدم اعتبار روایت ہے کوفیین نے اعتبار کیا ہے۔

ذٰلک الکتاب

ذلک کے مشار الیہ کے بارے میں دو قول ہیں (۱) ذلک کا مشار الیہ الٓمٓ ہو
(۲) یا مشار الیہ کتاب ہو۔ الف لام جب ہوگا تو وہ المؤلف من ھذہ الحروف کی
تاویل میں ہوگا یا ان کو قرآن کا نام یا سورۃ کا نام بنایا گیا ہے۔
سوال: ذلک اسم اشارہ بعید ہے جبکہ مشار الیہ بالکل قریب ہے؟
جواب: مشار الیہ بھی بعید ہے (۱) اس طرح کہ الٓمٓ از قبیل الفاظ و اعراض
ہیں اور اعراض زمانوں میں باقی نہیں رہتے نکلتے ہی ختم ہو جاتے ہیں تو گویا بعید ہو گئے۔
(۲) **سوال**: الٓمٓ سورت کا نام ہے تو سورت مؤنث ہے لہٰذا اس کے لئے تلک لانا چاہئے تھا؟
جواب: جب اسم اشارہ اور مشار الیہ خبر یا صفت کے درمیان واقع ہوں
تو اس کی تذکیر و تانیث میں خبر یا صفت کی رعایت کی جاتی ہے تو ذلک اسم
اشارہ ہے اور الکتٰب خبر یا صفت ہے تو اس کی رعایت کی گئی۔

ھُدًی للمتقین

ھدی مصدر ہے مبنا للفاعل ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے
عند المعتزلہ: الدلالۃ الموصلۃ الی المطلوب ایصال الی المطلوب۔
عندنا: الدلالۃ علی طریق یوصل الی المطلوب (ایسے راہ پر راہنمائی کرنا جو مطلوب تک پہنچا دے)
یعنی اراءۃ الطریق کہہ سکتے ہیں۔ حنا
حنفیہ و شافعیہ: مجمل و متشابہ قرآن کے ہدایت کے سلسلے میں خلل نہیں ڈالتے کیونکہ دلالت
سمع اور عقل سے ان کی مراد متعین ہو چکی ہے۔ یہ اس طور پر ہدایت کے معنی
میں ہیں کہ یہ اپنی حقیقت کے اعتقاد اور اپنا علم اللہ کی جانب تفویض کرنے پر ہدایت کرتے ہیں۔

Scanned by TapScanner

تقوی لغۃ: فرط الصیانۃ: بہت زیادہ بچنا
عرف شرع میں: وہ شخص جو اپنے نفس کو ہر اس چیز سے بچائے جو اس کے آخرت میں ضرر رساں ہو۔

تقوی کے 3 مراتب (۱) ہمیشگی کے عذاب سے بچنا شرک سے بیزاری اختیار کرنا۔ مثال الزمھم کلمۃ التقوی یہاں کلمہ تقوی سے کلمہ توحید مراد ہے۔
(۲) ہر وہ چیز جو گناہ میں ڈالے اس سے بچنا چاہے وہ فعل ہو یا ترک فعل حتی کہ بعض صغائر سے بھی یہی شرع میں متعارف ہے مثال ولو ان اھل القری امنوا واتقوا
(۳) اپنے آپ کو ہر اس چیز سے بچانا جو اس کے دل کو حق تعالی سے پھیر دے۔ اور اللہ عزوجل کی جانب پوری طرح متوجہ ہونا یہی حقیقی تقوی ہے مثال واتقوا اللہ حق تقاتہ۔

او تستتبع السابقۃ منھا اللاحقۃ

ان چاروں جملوں کے ارتباط کی دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ماقبل جملہ مابعد والے جملے کو مستلزم ہو جیسا کہ دلیل اپنے مدلول کو مستلزم ہوتا ہے تو گویا ان کا تعلق آپس میں بدل الاشتمال والا سو ہے اور مبدل منہ و بدل میں حرف عطف نہیں ہوتا۔
یہ اس طرح مستلزم ہیں کہ الم میں اعجاز کو ثابت کیا کہ حروف مادہ ایک ہی ہیں اور تم اس کے مثل لانے سے عاجز ہو تو سمجھ لو کہ یہ وحی من اللہ ہے اور یہ مستلزم ہے ذلک الکتاب کو بایں طور کہ یہ اعجاز کی وجہ سے انتہائی کمال کو پہنچا ہوا ہے پھر یہ لاریب کو مستلزم ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں پھر یہ ھدی للمتقین کو مستلزم ہے کہ جب شک نہیں تو متقین کے لیے ہدایت ہے۔

والایمان فی الشرع

۱) جمہور محققین، ابو منصور ماتریدی: ایمان بسیط ہے اور تصدیق قلبی کا نام ہے۔
۲) جمہور محدثین، متکلمین، فقہاء، معتزلہ وخوارج: ایمان مرکب تین اجزاء سے تصدیق بالقلب، اقرار باللسان، اعمال بالجوارح۔
۳) اکثر احناف: ایمان تصدیق قلبی و اقرار باللسان کا نام ہے

والذی یدل علیہ انہ

قاضی بیضاوی نے محققین کے 3 طرح سے دلائل بیان کیے ہیں
۱) قرآن کی وہ آیات جن میں ایمان کی قلب کی طرف نسبت کی گئی ہے تو قلب کو ایمان کا محل بنایا۔ اور قلب سے صرف تصدیق ہی ہوتی ہے۔
۲) بے شمار آیات میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔
۳) ایسے ہی نافرمانوں کو مومن کہا۔

Scanned by TapScanner

ومما رزقنٰھم

ورزق لغۃً : حصہ۔ آیت کریمہ کا معنیٰ ہم مستحقین کو اپنا حصہ بناتے ہو
عرفاً : عرف نے اسے خاص کر دیا کہ شئی کو حیوان کے ساتھ خاص کر دینا اور اس کو اس شئی سے نفع حاصل کرنے کی قدرت دے دینا۔

معتزلہ : حرام کو رزق تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ حرام پر قدرت دے کیونکہ اللہ عزوجل نے حرام سے نفع حاصل کرنے کو منع فرمایا ہے۔
نیز آیت کریمہ ومما رزقنٰھم ..... میں رزق کی اپنی طرف نسبت فرمائی کہ وہ خالص حلال کو خرچ کرتے ہیں کیونکہ انفاقِ حرام موجب مدح نہیں حالانکہ یہ مقام مقام مدح چل رہا ہے۔ نیز مشرکین کی مذمت فرمائی اس چیز کے حرام کرنے پر جو اللہ نے انہیں بطور رزق عطا فرمائی۔

معتزلہ کے دلیل کے جوابات۔ (۱) اللہ عزوجل نے رزق کی نسبت جو اپنی طرف کی ہے یہ رزق کی تعظیم کے لئے کی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حلال ہی رزق ہے۔
۲) بندوں کو خرچ پر ابھارنے کے لئے اپنی طرف نسبت کی
۳) مشرکین کی جو مذمت کی ان کا اپنی طرف سے رزق کو حلال و حرام پر تقسیم کرنے کی وجہ سے۔
۴) رزقنٰھم میں رزق حلال مراد ہے وہ قرینہ خارجیہ (مقام مدح) کی وجہ سے ہے جہاں قرینہ نہ ہو تو حلال و حرام دونوں شامل ہوں گے۔

وتمسکو بشمول (اہل سنت کے دلائل)

۱) نبی کا ارشاد لقد رزقک اللہ طیبا
۲) اگر حرام کو رزق نہ مانیں تو جس بندے نے پوری عمر حرام کھایا ہو وہ مرزوق من اللہ نہ ہوگا حالانکہ فرمان ہے وما من دابۃ ...

انفاق سے ۳ معانی مراد ہیں

۱) خیر کے راستوں میں خرچ کرنا خواہ فرض ہو یا نفل۔
۲) زکوٰۃ ادا کرنا۔
۳) اللہ عزوجل نے جتنی بھی معونتیں انسان کو دی ان میں سے خرچ کرنا۔

والذین یؤمنون بما انزل ...

اس کے عطف کے بارے میں 4 اقوال ہیں
1) اس کا عطف متقین پر ہو معنی ہوگا قرآن ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو کفر و شرک سے تائب ہو کر ایمان لائے اور ان کے لئے جو پہلی شریعت سے منتقل ہو کر ایمان لائے۔
۲) اس کا عطف الذین یؤمنون بالغیب پر ہے پھر اس میں دو صورتیں ہیں معطوف و معطوف علیہ میں تغایر ہوگا یا نہیں۔

تغایر ہے تو الذین یؤمنون بالغیب کا معنی ہوگا وہ لوگ جو کفر و شرک سے تائب ہو کر ایمان لائے اور اس کا معنی ہوگا وہ لوگ جو پہلی کتابوں سے منتقل ہو کر اس شریعت میں آئے ، اور یہ دونوں متقین کے لئے صفت مقیدہ بنیں گی۔

۳) اگر معطوف و معطوف علیہ میں اتحاد ہو تو ان کے مابین نسبت تساوی کی ہوگی یعنی دونوں کا مصداق ایک ہوگا۔

۴) دونوں کے درمیان اتحاد ہو کر نسبت عموم و خصوص کی ہو کہ الذین یؤمنون بالغیب عام ہے اور والذین یؤمنون بما انزل سے مراد اہل کتاب ہے تو باب عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہوگا۔

توسط العاطف

سوال: جب معطوف و معطوف علیہ میں اتحاد ہے تو حرف عطف کا لانا درست نہیں کیونکہ یہ تو تغایر کو چاہتا ہے۔

جواب: ہم مانتے ہیں کہ تغایر ہوتا ہے لیکن صلہ کا لانا میں تغایر ہے تو اب صلے کے تغایر کو ذات کے اتحاد تغایر کے قائم مقام کر دیا اور ہم عطف کو جائز کر دیا معطوف علیہ میں صلہ مدرک بالعقل ہے اور معطوف میں صلہ مدرک بالحواس ہے۔

یعنی جس طرح ملک القوم اور ابن الحمام سے ایک ہی شخص مراد ہے ویسے ہی یہاں بھی ، اور اسماء و صفات کے درمیان عطف تغایر مفہوم کے اعتبار سے ہوتا ہے اور یہاں بھی دونوں آیات کے مفہوم متغایر ہیں

بما انزل

سوال: نقل الشیء من الاعلیٰ الی الاسفل ۔ اس معنی کے اعتبار تو انزال قرآن کی صفت نہیں بن سکتا اگر کلام نفسی مراد لیں تو اس میں انتقال تو ہوتا نہیں اور اگر کلام لفظی مراد لیں تو یہ عوارض میں سے ہے اور عوارض انتقال کو قبول نہیں کرتے؟

جواب: کلام لفظی ہی مراد ہے رہی بات انتقال کی تو انتقال کی دو قسمیں ہیں ۱) بالاصالۃ ۲) بالتبع ۔ تو عوارض بالاصالۃ انتقال کو قبول نہیں کرتے تبعاً تو انتقال کو قبول کرتے ہیں۔ اور یہ قراءۃ کے لحاظ منتقل ہوتے۔

وبالآخرۃ ھم یوقنون

سوال: اس کی ترکیب پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ھم ضمیر فاعل (معنوی) ہے کیونکہ ھم اور واؤ کا مصداق ایک ہی ہے اور فاعل معنوی مقدم ہو تو حصر کا فائدہ دیتا ہے اب معنی ہوگا کہ مؤمنین اہل کتاب ہی آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، غیر مؤمنین اہل کتاب آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حالانکہ سب اہل کتاب آخرت پر ایمان رکھتے تھے (قالوا لن تمسنا النار) دلیل ہے؟

Scanned by TapScanner

جواب: اس حصر سے مطلق یقین آخرت مراد نہیں بلکہ وہ یقین مراد ہے جو دلیل قطعی سے حاصل ہو اور جس کی وجہ سے باطل عقائد نکل جائیں ذہن سے اور ایسا عقیدہ صرف مؤمنین اہل کتاب ہی کو حاصل تھا۔

وفی تقدیم الصلۃ

اس آیت میں دو حصر کیے گئے ہیں اور دو حصروں سے دو قسم یقین کی ہیں

1) غیر مؤمنین اہل کتاب پر بالآخرۃ کی تقدیم نے حصر الموصوف علی الصفۃ کا فائدہ دیا

2) اور ھم کی تقدیم نے حصر الصفۃ علی الموصوف کا۔

بالآخرۃ کو دیکھیں تو معنی ہوگا مؤمنین اہل کتاب آخرت ہی پر ایمان رکھتے ہیں اور ھم کو دیکھیں تو معنی ہوگا مؤمنین اہل کتاب ہی آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

بیان اعتقادھم

سوال: بالآخرۃ کی تقدیم سے تو مؤمنین اہل کتاب کی تعریف مقصود تھی جبکہ یہاں تو تنقیص ہوگئی؟

جواب: یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے حقیقی تب ہوتا جب یہ ایمانیات کے نسبت سے ہوتا جبکہ یہ حصر آخرت کے بارے میں جو مختلف رائے تھیں ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے تھا۔

والیقین اتقان العلم

یقین کے دو معانی (۱) نظر و فکر کر کے اپنے شبہات دور کرنا،

(۲) ایسا علم جو جانب مخالف کا احتمال نہ رکھے۔

پہلے معنی کے اعتبار سے علم اللہ پر اطلاق نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ عز و جل نظر و فکر سے پاک ہے، ایسے ہی بدہیات پر بھی نہیں کر سکتے کیونکہ بغیر نظر و فکر کے حاصل ہوتی ہیں،

الآخرۃ

غلبت: آخرت صفت کا صیغہ ہے لیکن اس پر اسمیت غالب آگئی تو ایک جہان کا نام بن گیا۔

الآخرۃ کو امام نافع تخفیف سے پڑھتے ہیں ہمزہ کو حذف کر کے اور اس کی حرکت لام کو دے کر۔

یؤقنون: واو کو ہمزہ سے تبدیل کر کے یؤقنون پڑھا گیا ہے، اس تعلق سے ایک قاعدہ۔

قاعدہ: واو خود مضموم یا مکسور ہو تو اس کو ہمزہ سے تبدیل کرنا جائز ہے جیسے وجوہ سے اجوہ لیکن یہاں پر واو کو ہمزہ سے تبدیل کرنا ماقبل ضمہ کے جوار کی وجہ سے ہے۔

قاعدہ :- کسی ذات کے لئے کوئی صفت ثابت کرنی ہو تو الفاظ کو دو طرح سے لا سکتے ہیں
۱) خبر کو نکرہ لانا یہ اس وقت ہوگا جب مخاطب بالکل خالی الذہن ہو جیسا زید فاضل
۲) خبر کو معرفہ لانا یہ اس وقت ہوگا جب مخاطب کو خبر کا تو علم ہو لیکن مخبر عنہ کا نہ ہو زید الذاہب
تو اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ نہیں تو مفلحون کا پتا ہے کہ جس کو ملی والی ہے فلاح
اگر نکرہ ہو تو حقیقت جنس کی طرف اشارہ ہوگا۔

بناء الکلام علی اسم الاشارہ

علی ھدی من ربھم کو مرتب کیا اسم اشارہ پر اور اسم اشارہ ماقبل میں ذات مع الصفات پر دلالت کرتا ہے تو اللہ رب العزت نے اختصار کے ساتھ حکم کی علت بھی بیان کر دی۔

إن الذين كفروا

حرف عطف ان دو جملوں کے مابین لایا جاتا ہے جن میں کمال انقطاع نہ ہو اور جہاں ہو وہاں نہیں لایا جاتا۔

سوال :- إن الذين كفروا میں متقین کی ضد کا بیان ہے اور تقابل اضداد بھی مناسبت کی ایک قسم ہے تو پھر عطف کیوں نہیں لائے؟

جواب :- اضداد کے لحاظ سے مناسبت ہے لیکن دونوں قصوں کی غرض مختلف ہے پہلے کی اللہ کی کتاب کی شان و عظمت کو بیان کرنا اور کفار کے قصے میں کتاب کی شان نہیں بلکہ ان کے کفر میں منہمک ہونے کو بیان کیا غرض مختلف ہونے سے کمال انقطاع پایا گیا اس لئے حرف عطف ذکر نہیں کیا۔

استدلال المعتزلہ

معتزلہ :- قرآن مخلوق و حادث ہے۔

اہل سنت :- قرآن غیر مخلوق و قدیم ہے۔

قرآن کے ۲ وجود ہیں (۱) کلام نفسی (جو متکلم کے ذہن میں ہو) یہ قدیم ہے اور (۲) کلام لفظی
(۲) کلام لفظی حسی یہ دونوں حادث ہیں۔

قرآن میں ماضی کے صیغے بکثرت ہیں اور ان ماضی کے صیغوں سے اللہ کا کاذب ہونا لازم آتا ہے (نعوذ باللہ) کیونکہ صدق اسے کہتے ہیں جو واقع کے مطابق ہو یہ اس وقت ہوگا جب پہلے واقعہ ہوا ہو اب واقعہ اگر ازل سے پہلے ہو تو ازل سے پہلے تو کوئی چیز تھی نہیں اور اگر واقعہ قرآن کے نازل ہونے پر مقدم ہے تو نازل ہونا کلام لفظی کی صفت ہے تو قرآن صرف کلام لفظی کا نام ہوا اور یہ حادث ہے کیونکہ یہ مسبوق بالغیر ہے اور جو مسبوق بالغیر ہو وہ حادث ہوتی ہے۔

کلام نفسی کا انکار کرتے ہیں معتزلہ

یا یوں کہیں نزول قرآن کے وقت ماضی کے صیغے سے اخبار اس کا تقاضہ کرتا ہے کہ اخبار وقوع نسبت سے پہلے ہو لہٰذا یہ مسبوق بالغیر ہوا اور ہر مسبوق بالغیر ~~حادث ہوتا ہے~~ مسبوق بالعدم ہوتا ہے

لہٰذا یہ مسبوق بالعدم ہوا اور جو مسبوق بالعدم ہو وہ حادث ہوتا ہے لہٰذا قرآن بھی حادث ہوا

جواب: قرآن ازلی ہے تو اس سے مراد کلام نفسی ہے جو اللہ کے ساتھ قائم ہے اور ازل میں یہ ماضی وحال کے ساتھ متصف نہیں تھا کیونکہ ازل میں زمانہ نہ تھا ہاں ماضی وغیرہ سے یہ متصف ہوا تعلقات کے بدلنے کے ساتھ اور زمانوں کے حادث ہونے کے ساتھ یعنی جب قرآن اللہ کی صفت ہے تو اس میں زمانہ تھا جب اس کا تعلق بندوں سے ہوا تو اس وقت بندوں کی آسانی کے لئے ماضی وغیرہ بنا دیا تو یہ تعلق بالغیر ہے اور تعلق کے حادث ہونے کی وجہ سے متعلق (کلام) کا حادث ہونا لازم نہیں آتا۔

سواء علیھم

(۲) احتمال بطور ترکیب

(۱) سواء ان کی خبر ہونے کے بنا پر مرفوع ہے اور اس کا مابعد علیھم ءانذرتھم اس کا فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی ان الذین کفروا مستوٍ علیھم انذارك وعدمہ سیشان علیھم یہاں سواء مستوٍ کے معنی میں ہے، اور ءانذرتھم ام لم تنذرھم یہ مصدر کے معنی میں ہو کر فاعل بن جائیں گے۔ اسم فاعل

(۲) سواء علیھم خبر مقدم اور ءانذرتھم مبتدا ئے مؤخر ہے۔

سوال: ءانذرتھم ام لم تنذرھم یا تو سواء کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یا مخبر عنہ تو سوال ہوا کہ مخبر عنہ/ مسند الیہ ہمیشہ اسم ہوتے ہیں جب کہ فعل کا مسند الیہ ہونا ممتنع ہے تو آپ نے ءانذرتھم کو کس طرح مسند الیہ بنا دیا ہے

جواب: فعل کو مخبر عنہ بنانا اس وقت ممتنع ہوتا ہے جب فعل سے تمام ماوضع لہ مراد ہو اور فعل ۳ چیزوں کے لئے موضوع ہے (۱) معنی مصدری (حدث) (۲) نسبت الی فاعل ما (معنی مصدری اور فاعل کے درمیان نسبت) (۳) زمانہ

جب فعل سے اس کا لفظ مراد ہو یا مطلقاً حدوث تو فعل اضافت اور مسند الیہ ہونے میں اسم کی طرح ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں فعل کو مخبر عنہ بنانا درست ہے۔

ءانذرتھم ۷ قرائتیں

(۱) دونوں ہمزہ کو اپنے مخرج سے پڑھا جائے۔

(۲) دوسرے ہمزہ کے تخفیف (تسہیل) کے ساتھ اور تخفیف ثانیہ کی صورت میں دوسرے ہمزے کو الف و ہمزے کے درمیان سے پڑھا گیا ہے۔

(۳) دونوں کو تحقیق سے پڑھا جائے لیکن درمیان میں الف کو داخل کیا جائے

(۴) درمیان میں الف اور دوسرے ہمزے کو بین بین (تسہیل)

(۵) ہمزہ استفہام کو حذف کر کے اس کی حرکت ماقبل ساکن جو علیھم کی میم ہے اس کو دی جائے

(۶) ہمزہ استفہام کو حذف کر دیں،

Scanned by TapScanner

والآیۃ مما احتج

ممتنع کی دو صورتیں ہیں (۱) ممتنع لذاتہ شئی کی ذات میں کوئی معنی ہو جس کی
وجہ سے امتناع کا حکم ہو۔ (۲) ممتنع لغیرہ شئی تو ذات کے اعتبار سے ممکن ہو
لیکن کسی شئی خارج کے اعتبار سے امتناع کا حکم ہو۔

معتزلہ: عقلاً ممتنع ہے کیونکہ قبیح مستلزم ہے جہل کو جبکہ اللہ رب العزت اس سے بری ہے۔
جو چیزیں ممتنع لذاتہ ہیں ان میں اللہ مکلف بناتا ہے یا نہیں بندوں کو

~~جمہور: سے عقلاً جائز ہے اور نفس الامر میں واقع بھی ہے~~ — راجح عند البیضاوی

اکثر اشاعرہ: عقلاً جائز ہے لیکن نفس الامر میں واقع نہیں۔

بعض اشاعرہ: استدلال (۱) إن الذین کفروا اس آیت سے مخصوص کفار مراد ہیں
جیسے ابو جہل وغیرہ اللہ نے ان کے عدم ایمان کی خبر دی تو اب ان کا ایمان ممتنع لذاتہ ہوا
اس کے باوجود انہیں ایمان کا مکلف بنایا گیا تو اگر کبھی وہ ایمان لا سکتے ہیں تو پھر
خدائے پاک کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا اور اللہ کا ایمان سے جاہل ہونا لازم آئے گا اور یہ
دونوں محال ہیں اور جو محال کو مستلزم ہو وہ بھی محال ہوتی ہے۔

(۲) ایمان نام تصدیق بما جاء النبی کا اور ما جاء النبی میں ان الذین کفروا بھی ہے
کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو گویا انہیں دو باتوں کا مکلف بنایا گیا تصدیق کرو اور
اپنے ایمان کی تصدیق نہ کرو تو تصدیق و عدم تصدیق ضدین ہیں اور ضدین کا اجتماع
محال ہے، ممتنع ہے۔

والحق: مفسرین نے جواب دیا کہ تکلیف مالا یطاق اگرچہ عقلاً جائز ہے
لیکن غیر واقع ہے رہی بات استدلال کی تو شئی کے واقع ہونے یا نہ ہونے کی خبر
دینا اس شئی پر قدرت کی نفی نہیں کرتا تو اب یہ ممتنع لذاتہ نہ ہوئی۔
اور آپ کا تکلیف بالممتنع لذاتہ پر استدلال درست نہ ہوا۔

خلاصہ (۱) ایمان لانا فی نفسہ ممکن تھا یہ ممتنع لغیرہ ہے
اللہ رب العزت کسی کے بارے میں خبر دے دے تو یہ اس کام کے لئے موجب نہیں ہوتا
اور قدرت کو ختم کبھی نہیں کرتا جیسے اللہ عز و جل بھی فاعل مختار ہے اور بندہ بھی
اور یہاں دونوں کی خبر دی ہے اللہ نے تو اگر خبر دینے سے قدرت ختم ہوتی تو اللہ عز و جل
دونوں کا اختیار ختم ہو جانا چاہئے تھا۔
اللہ کا خبر دینا موجب اس لئے نہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس
وجہ سے نہیں کہ اللہ نے اس کی خبر دی ہے بلکہ جو کچھ ہونا والا تھا تو اس کی خبر دی ہے
تو جب موجب نہیں تو بندے سے قدرت کی نفی بھی نہ ہوئی۔
اگر وہ کفار ایمان لے آئیں تو خبر جھوٹی ہے اور ممتنع لغیرہ کی تکلیف جائز ہے۔